دو ہفتے ترکی میں

از

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ناشر

مکتبہ اسلام
۲/۵۴ ۱۷ احمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

نام کتاب	——— دو ہفتے ترکی میں
تصنیف	——— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کتابت	——— دل شاد احمد
طباعت	——— کاکوری آفسیٹ پریس
ضخامت	——— ۱۰۲ صفحات
ایڈیشن	——— دوسری اشاعت ۱۴۲۲ھ
قیمت	———

ناشر

مکتبہ اسلام

۲/۵۴ احمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات	عنوانات	صفحات
پیش لفظ	۷	گلہانہ پارک کی سیر	۳۸
دمشق سے ترکی حدود تک	۱۰	آبنائے باسفورس میں	۳۹
حلب میں	۱۱	ترک نوجوانوں کے اجتماع میں ہماری تقریر۔	۴۰
حلب سے اصلاحیہ تک	۱۴		
ترک ہمسفروں کا جذبۂ اسلامی	۱۵	عربی کتب کوڑیوں کے مول	۴۴
ترکی حدود میں	۱۸	عرب طلبا کے اجتماع میں	۴۶
ترکی سرزمین میں	۱۸	کتب خانہ سلیمانیہ میں	۴۷
ترک ہمسفر کا تاثر	۲۰	جامع سلیمانی	۴۸
انگورہ سے قسطنطنیہ تک	۲۱	توپ کاپے کا عجائب خانہ	۴۹
استنبول میں	۲۳	سلطان عبدالحمید خاں کا قصر یلدز	۵۰
پریشانی و سرگردانی	۲۴	خوش سلیقہ و خوش قرینہ حمام	۵۲
پریشانی کا خاتمہ	۳۴	جامع سلیمانی کا عجائب خانہ	۵۲
حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک پر	۳۶	ترکی کے مشہور عالم شیخ حسن بصری سے ملاقات۔	۵۳
جامع ایا صوفیہ میں	۳۷	ترکی کے مشہور اسلامی شاعر محمد عاکف مرحوم	۵۵

عنوانات	صفحات
راغب پاشا کا کتب خانہ	۵۵
کلیۃ العلوم	۵۵
ترکی مورخ اسماعیل حامی دانشمند سے ملاقات۔	۵۶
سلطان عبدالحمید خاں مرحوم	۵۷
مدحت پاشا دانشمند صاحب کی نظر میں	۵۹
سلطان عبدالحمید خاں کی یادگاریں	۶۰
سلاطین آل عثمان کی یادگاریں	۶۱
قازانی جمہوریہ کے سابق صدر صدری مقصودی	۶۱
نورالدین طوبجو اور ہمارے رفیق اسمٰعیل	۶۲
دنیا کا اہم ترین قصر دولمہ باغچہ	۶۳
وہ کمرہ جس میں اتاترک کا انتقال ہوا	۶۴
ترکی کا مشہور پہلوان	۶۵
استنبول یونیورسٹی میں ڈاکٹر فواد باشگیل سے ملاقات	۶۶
دین ولادینیت پر گفتگو	۶۷
صوفی منش بزرگ یوسف ضیا سے ملاقات	۶۸
عرب طلبا کا آخری اجتماع اور ملاقات	۶۹
انقرہ کے سفر کی تیاری	۷۰
زین العابدین اور دوسرے عرب طلبا کا ایثار اور مہمان نوازی	۷۰
ہمارے رفیق سفر	۷۱
استنبول پر ایک نظر	۷۲
ترکوں کی معاشرت	۷۳
موجودہ حکومت اور دینی رجحان	۷۴
اس وقت کی اہم ترین ضرورت۔	۷۵
استنبول سے انقرہ تک۔	۷۶
انقرہ میں	۷۷
محکمہ امور مذہبی کے صدر دفتر میں	۷۷
مصطفیٰ رضا	۷۸
محکمہ امور مذہبی کا اسٹاف	۷۹
دارالترجمہ کی کارگزاری	۸۰
استاد اسماعیل حقی	۸۲
محمد فاتح کا داخلہ قسطنطنیہ	۸۲

عنوانات	صفحات	عنوانات	صفحات
محمد فاتح کی عظمت	۸۴	عہد قدیم کی ایک یادگار	۹۵
جامع حاجی بیرم	۸۴	آثار قدیمہ کے دفتر میں	۹۶
دفتر رسالہ اسلام میں	۸۴	سلجوقی عہد کی یادگاریں	۹۶
جدید دینی تحریک کا نعرہ	۸۵	مولانا صدر الدین قونوی	۹۷
اتاترک کا مقبرہ	۸۵	جامع قرادائی	۹۷
دینیات کے کالج میں	۸۶	قونیہ کا شہر	۹۸
کالج کے اساتذہ	۸۷	ڈاکٹر علی کمال کے مکان پر	۹۹
معلم کی صلاحیتیں	۸۷	قونیہ سے روانگی	۹۹
کالج کا نصاب و نظام	۸۸	راستے کے مناظر	۱۰۰
نئی نسل کی دینی تعلیم	۸۹	غریب علاقہ	۱۰۰
انگورہ میں جمعہ کی نماز	۸۹	اطنہ	۱۰۱
علماء فرنگی لباس میں	۹۰	اسکندرونہ سے حلب	۱۰۱
انگورہ پر ایک نظر	۹۱		
قونیہ میں	۹۲		
ڈاکٹر علی کمال	۹۲		
جامع سلطان سلیم اور کتب خانہ	۹۳		
مولانا روم کے مزار پر	۹۳		

کارآمد بنانے اور ملک کو دینی، اجتماعی، اخلاقی، علمی اور تاریخی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی گئی، اہل حکومت کے سوا مختلف طبقوں کے ممتاز لوگوں سے ملا گیا، معلومات کو حتی الامکان ثقہ و مستند لوگوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور روزنامچہ کے بے تکلف اور سادہ اسلوب میں اپنے عینی مشاہدات اور قلبی تاثرات کو قلم بند کرلیا گیا، یہ نقوش و تاثرات آپ کے سامنے ہیں۔

ابوالحسن علی

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ، یکم اگست ۱۹۵۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

شعبان ۱۳۷۵ھ (اپریل ۱۹۵۶ء) میں جب راقم سطور کو دمشق یونیورسٹی کی دعوت پر دمشق کا سفر پیش آیا تو یہ نیت تھی کہ حتی الامکان اس مرتبہ ترکی کا سفر ضرور کیا جائے گا۔ ترکی سے مسلمانوں کے بالعموم اور ہندوستانی مسلمانوں کے بالخصوص گہرے اور دیرینہ تعلقات ہیں جن لوگوں کو ہندوستان کی خلافت تحریک کا زمانہ یاد ہے انکو اندازہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ترکوں سے کیسی شیفتگی اور کیسا والہانہ تعلق رہ چکا ہے اور ترکی کا نام ان کے لیے کس قدر کشش رکھتا ہے۔ اس وقت اگرچہ میرا بچپن تھا لیکن اس کے نقوش ابھی تک تازہ اور اجاگر ہیں، یوں بھی ترک صدیوں تک اسلام اور کعبہ کے پاسبان اور سطوت اسلامی کا نشان رہ چکے ہیں، قسطنطنیہ ان چند شہروں میں ایک شہر ہے جس کا نام مسلمانوں کے لئے بہت مانوس اور محبوب ہے۔

ادھر الغائے خلافت کے بعد سے کچھ تو کمال اتاترک کی بے دینی اور اس کے رفقا کی بے اعتدالیوں اور ناعاقبت اندیشیوں نے اور کچھ شاطران مغرب کے پروپیگنڈے نے ترکوں کو بہت بدنام کر دیا تھا اور یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ ترکوں نے اپنا رشتہ اسلام سے بالکل منقطع کر لیا ہے اور اس ملک میں ایک عظیم انقلاب ہو گیا ہے جس کو اجتماعی ارتداد یا اسلام سے بغاوت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس طویل عرصہ میں چند مضامین کے علاوہ جو کبھی برسوں میں کسی رسالہ یا اخبار میں شائع ہو جاتے

تھے اور شائع ہو کر پھر گم ہو جاتے تھے، کبھی صحیح واقعات اور صورتحال کا انکشاف نہ ہو سکا، اور کبھی اس فرق کو نہ سمجھا جا سکا جو حکومت کے مختصر و محدود طبقہ اور ترک قوم کے درمیان ہے۔ نہ مسلمانوں کو عام طور پر یہ معلوم ہو سکا کہ ترک قوم اسلام کی کس قدر وفادار ہے اور اس سے کیسا عاشقانہ و والہانہ تعلق رکھتی ہے۔ اس عرصہ میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی ہندوستانی مسلمان نے اس قابل احترام اسلامی سرزمین کا اس مقصد کے لئے سفر نہیں کیا اور اگر کیا اس کے مشاہدات و تاثرات منظر عام پر نہیں آئے، اسی طرح کمال اتاترک کی سیاسی و قومی خدمات کی بنا پر ہندوستان میں ایسی خوش عقیدگی چھائی ہوئی ہے کہ دینی حلقوں میں بھی اس پر کسی طرح کی تنقید گوارا نہیں کی جا سکتی اور اس کے ابتدائی کارناموں کے طفیل میں اس کے ان اقدامات کو بھی معاف کر دیا جاتا ہے جن کا نتیجہ اس عظیم الشان مسلمان قوم کے تہذیبی اور بالآخر دینی ارتداد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، ضرورت تھی کہ ایک طرف ترکوں کی دینی شیفتگی اور اسلام سے وفاداری کی تصویر سامنے آجائے اور دوسری طرف کمال اتاترک کی صحیح حیثیت بھی واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو اس کا اندازہ ہو جائے کہ وہ اس کی طرف سے کیسی خوش فہمی اور ناواقفیت کا شکار رہیں۔

راقم سطور کو اس کا اعتراف ہے کہ اس نے اس عظیم سرزمین کی سیاحت و زیارت میں جتنی مدت صرف کی وہ ناکافی تھی، وہ اپنے اس سفر میں قسطنطنیہ، انگورہ اور قونیہ کے سوا کوئی اور مقام نہیں دیکھ سکا۔ بورصہ جیسا حسین و خوش منظر شہر اور ازمیر وغیرہ جیسے اہم مقامات چھوٹ گئے لیکن اس کے کہنے میں تامل نہیں کہ جتنا وقت ملا اس کو

کارآمد بنانے اور ملک کو دینی، اجتماعی، اخلاقی، علمی اور تاریخی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی گئی۔ اہل حکومت کے سوا مختلف طبقوں کے ممتاز لوگوں سے ملا گیا۔ معلومات کو حتی الامکان ثقہ و مستند لوگوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور روزنامچہ کے بے تکلف اور سادہ اسلوب میں اپنے عینی مشاہدات اور قلبی تاثرات کو قلم بند کرلیا گیا، یہ نقوش و تاثرات آپ کے سامنے ہیں۔

ابوالحسن علی
۲۴ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ، یکم اگست ۱۹۵۶ء

دمشق سے ترکی حدود تک

۲ر ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۲ر جون ۱۹۵۶ء ۱۱ بجے دن کو دمشق سے روانگی ہوئی، استاد سعد الدین الولیلی نے ازراہ کرم و محبت حلب تک رفاقت کا ارادہ کرلیا۔ سعد الدین صاحب کی رفاقت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم، مستعد رفیق و رہبر اور ایک گرمجوش و ہوش مند رفیق سفر ناظم امور ساتھ ہے، جس کی موجودگی میں مجھ جیسا ضعیف مسافر (جو ہمیشہ ایک اچھے منتظم، رفیق سفر کا محتاج رہتا ہے) بالکل سبکدوش ہوجاتا ہے۔ دمشق سے حلب کا فاصلہ تین سو میل کے قریب ہے اور ۶ - ۷ گھنٹے کا سفر ہے۔ ڈیڑھ بجے کے قریب حمص پہنچے جس کو سیف اللہ حضرت خالدؓ کا مرقد مبارک ہونے کا شرف حاصل ہے، حمص میں کوئی اطلاع نہ تھی، مرکز اخوان میں ظہر کی نماز پڑھی اتنے میں جماعت سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب آگئے اور انھوں نے باصرار دوپہر کا کھانا کھلایا۔ مجھ سے مرکز کی کاپی پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی گئی میں نے اس پر یہ شعر لکھ دیا جو حسب حال تھا:۔

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

اتنا وقت نہ تھا کہ حضرت خالدؓ کی قبر مبارک پر حاضری دی جائے، ان کے مدفن مبارک کی دیواروں کے نیچے سے گزرتے ہوئے اور فاتحہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اس سے پہلے حاضری کے موقع پر زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

حماۃ کے دوستوں کو اطلاع ہو گئی تھی وہ سڑک ہی پر منتظر تھے، موٹر سے اتار کر قریب کے ایک مکان میں جو ایک انجینیر کا دفتر تھا لے گئے، تھوڑی دیر میں بہت سے دوست جمع ہو گئے، حماۃ والوں کا پیغام پہلے سے پہنچ چکا تھا کہ یہاں کے لئے وقت ضرور نکالا جائے، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ براہ راست ترکی کا سفر ہے اور حماۃ کے لئے وقت نہیں ہے تو بہت ملول ہوئے اور مستقل وقت نکالنے کے لئے سخت اصرار ہوا۔ اس وقت تک وہ مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ دمشق پہنچ کر دوبارہ حاضری کا وعدہ نہیں لے لیا، واقعہ یہ ہے کہ شام کے یہ اضلاع بالخصوص حماۃ دینی کام کا بہت اچھا میدان ہے اور اس کا مستحق ہے کہ وہاں معتدبہ وقت صرف کیا جائے۔

حلب میں

عصر کی نماز کے بعد موٹر روانہ ہوئی، سورج ڈوب رہا تھا کہ موٹر حلب کے حدود میں پہنچی۔ ابھی شہر ۳-۴ میل دور تھا کہ چند موٹریں سڑک پر نظر آئیں۔ انھوں نے ٹھہرنے کے لئے اشارہ کیا اترے تو معلوم ہوا کہ حلب کے دوست لینے آئے ہیں۔ ان دوستوں میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ محمد الشامی، استاد عبدالقادر السبسبی وکیل حلب و صدر اخوان اور استاد بہاء الامیری، سفیر شام

پہلے سے معروف تھے۔ عمر بہار الدین بڑی گرمجوشی و محبت سے ملے۔ ان دوستوں کی رفاقت میں حلب روانہ ہوئے، سب سے پہلے الثانویۃ الشرعیۃ میں مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد مسجد کے سامنے صحن میں نشست کا انتظام تھا اور دور تک کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، حاضرین کی تواضع شربت سے کی جارہی تھی علماء حلب میں سے غالباً اکثر موجود تھے۔ ایک صاحب نے جو غالباً ثانویہ کے استاد ہیں، مہمان کا خیر مقدم کیا اور اپنے جذبات مسرت کا اظہار، اس خاکسار نے موزوں الفاظ میں ان کا جواب دیا اور ان کی محبت کا شکریہ ادا کیا۔

ثانویہ سے ہم لوگ ایک جج صاحب کے مکان پر آئے جو عدالت کی عمارت و احاطہ ہی میں واقع ہے، دوستوں نے حلب کے مختصر قیام کی سخت شکایت کی اور انھیں دوستوں نے اس پر اصرار کیا کہ کل بجائے ٹرین سے سفر کرنے کے ایک روز مزید یہاں صرف کیا جائے اور اسکندرونہ کے راستہ سے فضائی سفر کیا جائے، اس سے دو دن بچ جائیں گے، ترکی قنصل خانہ سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اسکندرونہ ہوائی جہاز مستقل نہیں اترتا، اگر سواری کی کمی ہوتی ہے تو اترتا ہے ورنہ براہ راست چلا جاتا ہے، اسکندرونہ سے اطنہ جانا ہوگا جہاں سے مستقل سروس ہے، میرا رجحان ٹرین سے ہی سفر کرنے کا تھا کہ اس سرزمین رنگ و بو کی پوری سیر ہو۔ اس تردد کی حالت نے اس رجحان کو اور طاقت بخشی اور یہی طے کیا گیا کہ ٹرین سے سفر کیا جائے، کچھ دیر بیٹھے اور کھانا کھانے کے بعد جلسہ گاہ کی طرف رخ کیا گیا جہاں حاضرین جمع ہو گئے تھے اور منتظر تھے۔

مرکز قریب آیا تو دو رویہ نوجوانوں کی قطاریں تھیں جنھوں نے نعرہائے مسرت اور تکبیر و تحمید سے استقبال کیا، مرکز کی وسیع عمارت میں پہنچے تو اس کا وسیع صحن حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دیواروں اور چھتوں پر بھی لوگ تھے، جن میں بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی، اسٹیج کے قریب علمائے حلب تشریف رکھتے تھے، اس مجمع و اہتمام کا اندازہ نہ تھا۔ اپنی حالت یہ تھی کہ ۹ گھنٹے کے موٹر کے سفر نے بالکل خستہ کر دیا تھا۔ حاضرین کے شوق و گرمجوشی کا تقاضہ یہ تھا کہ دل کھول کر تقریر کی جائے۔ تقریر ریکارڈ کرنے کا بھی انتظام تھا۔ آج کی تقریر کا عنوان جس کا پہلے سے اعلان کر دیا گیا تھا "نئے ایمان کی ضرورت" (حاجتنا الی ایمان جدید) تھا، بنام خدا تقریر شروع کی، پہلے طبیعت میں افسردگی اور اضمحلال تھا، دوران تقریر میں طاقت محسوس ہوئی، تقریر بالکل دعوتی انداز کی تھی، اور نہایت صاف گوئی کے ساتھ عربوں سے خطاب تھا جس میں خاصی تلخی بھی، لیکن مجمع ہمہ تن گوش تھا اور معلوم ہو رہا تھا کہ یہ تلخی ناگواری کا باعث نہیں، بلکہ اس صاف گوئی نے ان کے دل کے تار چھیڑ دیئے ہیں۔ تقریر کے اختتام پر مجمع نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے تاثر کا اظہار کیا اور تکبیر و تحمید کے نعرے بلند کئے، تقریر ختم ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ محبت کا دریا امنڈ آیا یاد نہیں کبھی مجمع نے اپنی محبت کا اس طرح والہانہ اظہار کیا ہو، میرے خیال میں اگر اس تلخ تقریر اور ایسی صاف تنقید کسی قوم پر کی گئی ہوتی تو اس کا ردعمل یسا نہ ہوتا جس طرح اس وقت ہوا۔ یہ عربوں کی فراخدلی اور عالی ظرفی کی

دلیل ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ قوم اپنی ہزار کمزوریوں کے باوجود شرافت نفس بلند حوصلگی اور اعتراف حق میں اب بھی امتیاز رکھتی ہے۔ مرکز سے روانہ ہوئے تو عرب نوجوان جو اکثر کالجوں کے طالب علم تھے، اظہار محبت و تشکر کے لئے پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے، ہاتھوں کو سر کو بار بار بوسہ دیتے تھے، منتظمین کتنا ہی اعلان کرتے تھے کہ استاد تھکے ہوئے ہیں، کمزور ہیں مگر لوگ بالکل بے قابو تھے، ان کی اس محبت کو دیکھ کر میں نے بھی کہدیا کہ روک ٹوک کی ضرورت نہیں، استاد بہاء الامیری اور بہت سے احباب گھر تک ساتھ آئے۔ ان میں ایک صاحب قلب و صاحب جذب بزرگ بھی تھے جو اپنے تاثر و تعلق خاطر کا اظہار اس طرح کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی، اس صاف گوئی اور اعلان حق کی خاص طور پر داد دیتے تھے۔

اسلام بھی کیا معجزہ ہے جو اپنے پیروؤں میں ایسی یگانگت، ایسی شیفتگی اور ایسی اخوت پیدا کر دیتا ہے، ۱۲ بجے کے قریب احباب رخصت ہوئے اور میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔

حلب سے اصلاحیہ تک:

۲ ذی قعدہ ۷۵ھ مطابق ۱۲ جون ۵۶ء

صبح کی نماز کے بعد سے احباب آنا شروع ہو گئے۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شیخ محمد الشامی، استاد بہاء الامیری محمد حمودہ اور دوسرے احباب انھوں نے سفر کے سارے انتظامات کئے، اور ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں، گاڑی

کافی لیٹ تھی، ۷ بجے کے بعد اسٹیشن روانہ ہوئے، مخلص احباب ہمراہ تھے اسٹیشن پر انھوں نے راحت کے ساتھ سفر کرنے کے وسائل وانتظامات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، وہ صاحب قلب و صاحب جذب بزرگ ساتھ تھے وہ لمحہ بہ لمحہ بڑے والہانہ انداز سے اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے، میں اپنی بے بضاعتی اور ناکارگی کو دیکھتا تھا تو حیرت ہوتی تھی پھر جس کی نسبت عالی سے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کا تصور کر کے تسکین ہوتی تھی اور بار بار یہ مصرعہ زبان پر آتا تھا ع

عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

دوستوں نے استنبول جانے والے مختلف مسافروں سے بڑی خصوصیت واہمیت کے ساتھ تعارف کرایا اور ان کو ہر طرح کی راحت و سہولت بہم پہنچانے کی تاکید کی، ان حضرات نے بڑے نیازمندانہ ومخلصانہ طریقہ پر اس کا وعدہ کیا کہ ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں۔

آج سے پانچ سال پیشتر اسی حلب کے اسٹیشن پر حسرت بھری نگاہوں سے ترکی کو گاڑی روانہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اللہ کی شان ہے کہ آج اسی گاڑی پر اس پر عظمت سرزمین کی طرف سفر ہو رہا ہے جس سے ہماری اسلامی شوکت وطاقت کی ہفت صد سالہ تاریخ وابستہ ہے۔

ترک ہم سفروں کا جذبۂ اسلامی

سکنڈ کلاس کے ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئے، اس کمپارٹمنٹ میں

ایک ترکی خاندان بھی سفر کر رہا ہے، اس خاندان کی عورتیں کچھ دیر تک تو ہم کو دیکھتی رہیں اس کے بعد ان سے نہ رہا گیا، ایک نوجوان عورت نے ترکی زبان میں کہا کہ تمہارے عماموں اور داڑھیوں سے ہمارا دل بہت خوش ہوا ایک دوست نے متوجہ کیا کہ دیکھو اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں، اللہ اللہ ایمان کا تخم بھی کیا تخم ہے جس کو شدید سے شدید آندھی اور زلزلہ بھی نکال نہ سکا۔ اب ان عورتوں کی حالت یہ ہے کہ میں جوتا پہننے کے لئے پاؤں بڑھاتا ہوں تو بے اختیار جوتا برابر کر دیتی ہیں۔ ترک مرد کا یہ حال ہے کہ ایک خادم کی طرح برتاؤ کرتا ہے اور جب بیٹھتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرید کسی شیخ کے حلقہ میں بیٹھا ہے۔ ایک شامی جو ہم سفر ہیں اور فرسٹ کلاس میں ہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کوئی کام تو نہیں ہے۔ کھانا اگرچہ اپنے ساتھ ہے مگر وہ اپنے یہاں کا کھانا لاکر رکھ گئے ـــــ گاڑی اس سرزمین پر جا رہی ہے جس کے دشت وجبل اللہ اکبر کی صداؤں سے بار بار گونجے اور جس کی خاک پاک عرب شہسواروں اور ترک مجاہدوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بار بار پامال اور حق یہ ہے کہ مالا مال ہوئی، کیونکہ ان مجاہدین کو اس ہستی کی غلامی کا شرف حاصل تھا جن کے متعلق شاعر نے کہا ہے: ع

سر سبز سبزہ ہو، جو ترا پامال ہو۔ ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

گاڑی ایکسپریس ہے جو بغداد سے استنبول ہفتہ میں دو روز یعنی شنبہ اور یکشنبہ کو جاتی ہے اس کو طورس ایکسپریس [illegible] کہتے ہیں۔

اندازہ ہوا کہ ترکی گاڑیاں بعض حیثیت سے ہندوستانی گاڑیوں سے زیادہ آرام دہ ہیں، پوری ٹرین میں غلام گردش ہوتی ہے جس کی وجہ سے مسافر گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے۔ غسل خانے بھی فراخ اور بیسن اس طرح کے ہیں کہ وضو آسانی سے ہو سکتا ہے، گاڑی میں ملازمین ہوتے ہیں جو ضرورت کی چیزیں مہیا کر سکتے ہیں۔ غلام گردش ایک اچھی خاصی سیرگاہ ہے جس پر مسافر کھڑے ہو کر باہر کا نظارہ کر سکتے ہیں، ضرورت ہو تو شیشے گرائے جا سکتے ہیں۔

۱۲ بجے کے بعد گاڑی میدان اکبس پہنچی جو شام کا آخری اسٹیشن ہے۔ غیر ملکی مسافروں کے پاسپورٹ لے لئے گئے، اور کچھ عرصہ کے بعد واپس کئے گئے۔

ترکی حدود میں

۲ بجے گاڑی اصلاحیہ پہنچی وہاں سے حیدر پاشا کا ٹکٹ لیا جو گویا استنبول (قسطنطنیہ) کا اسٹیشن ہے، شام سے ہم نے شامی سکہ سے شامی حدود تک ٹکٹ لے لیا تھا، اصلاحیہ سے ترکی سکہ سے حیدر پاشا تک کا ٹکٹ لیا جو ۶۷ لیرہ ۲۰ قرش ترکی کا ملا۔ شامی اور ترکی سکہ میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک سو پینتالیس لیرہ شامی کے پانچ سو لیرہ ترکی ملے تھے، اس لئے اسی میں فائدہ ہے کہ شامی حدود تک شامی سکہ سے ٹکٹ لیا جائے اور ترکی حدود سے ترکی سکہ میں لیا جائے، اس لئے کہ شامی اسٹیشن سے ٹکٹ شامی سکہ یا ڈالر سے مل سکتا ہے اور اس میں مسافر کا بڑا نقصان ہے، ہمارے شامی ہمسفر نے اصلاحیہ پر اتر کر ٹکٹ لا دیا، اور اطلاع دی کہ Sleeping Car میں مطلقاً جگہ نہیں ہے اس لئے مجبوراً اسی درجہ میں سونے کا بندوبست کرنا پڑے گا۔

ترکی سرزمین میں

اب اس وقت دن کے ۳ بجے ہیں، گرمی شام سے زیادہ محسوس ہوتی ہے

بالکل ہمارے درجہ کے سامنے ترکی سُرخ جھنڈا لہرا رہا ہے جس پر چاند تارے کا نشان ہے۔ یہ وہ نشان ہے جس سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھیں بچپن سے آشنا ہیں اور جو کسی زمانہ میں عالم اسلامی کی طاقت کا نشان سمجھا جاتا تھا اور کہنے والے نے کہا تھا۔ "خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا" میں کچھ دیر کے لئے باہر اترا، ترکی نوجوان جو سیر کے لئے آئے ہوئے تھے اور اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں پاس آگئے، یہ ترکی کے سوا کسی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتے بعض عربی جاننے والوں کی مدد سے اور کچھ اشارہ سے اُن سے گفتگو کی، انکے نام اسلامی ہیں اور کئی کے نام محمد نکلے۔ پوچھنے سے بعض لوگوں نے تبلایا کہ صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ گاڑی کے دونوں طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو سرسبز ہیں۔ زمین ہندوستان کی طرح سرسبز و سیر حاصل معلوم ہوتی ہے۔

زبان کا اشکال اس سفر میں پہلی بار محسوس ہوا۔ سوائے چند شامیوں کے جو ہم سفر ہیں، کوئی عربی نہیں سمجھتا، ہم زبانی کی قدر آئی، افسوس ہے کہ ترکوں نے صدیوں عرب ملکوں پر حکومت کی مگر عربی زبان سے بہت کم تعلق پیدا ہوا۔ اور پیدا بھی ہوا تو اس کو اس نامبارک شخص نے ختم کر دیا جس کو کمال اتاترک کہتے تھے۔ دو چیزیں خاص طور پر محسوس ہو رہی ہیں اور آنکھوں میں بار بار چبھتی ہیں۔ ایک لاطینی رسم الخط جو ترکی حدود سے شروع ہو گیا ہے، دوسرے ہیٹ جو ہر ترک کے سر پر نظر آرہی ہے، یہاں تک کہ گاڑی سے جو دیہاتی ترک نظر آتے ہیں ان کے سر پر بھی ہیٹ ہے، اگرچہ دیسی وضع کی ہے اور خانہ ساز ہے۔

فوزی پاشا کے بعد سے گاڑی کی رفتار بھی تیز ہوگئی اور سرنگیں بکثرت آنے لگیں، بعض بعض سرنگیں تو ۸-۸، ۱۰-۱۰ میل کی معلوم ہوئیں، دونوں طرف سبز پوش پہاڑ ہیں، کہیں کہیں پہاڑی چشمے بھی نظر آتے ہیں۔ سبزہ دور تک پھیلا نظر آتا ہے، شام ہوگئی، ہر طرف خاموشی ہے۔ اس خاموش فضا میں ہر چیز خاموش ہے مگر گزرنے والے دیہاتوں اور بستیوں کی مسجدوں کے مینارے سر اٹھا اٹھا کر بآواز بلند اعلان کرتے ہیں کہ یہ اسلام کی سرزمین ہے اور داعیان اور فاتحان اسلام عرب سے جو پیغام لے کر آئے تھے ہم اس کے امین و منادی ہیں۔

مغرب کے بعد اطنہ آیا، یہ اچھا بڑا شہر اور صنعتی مرکز معلوم ہوتا ہے، شہر سے بعض اخبارات بھی نکلتے ہیں، ایک کا نام جو بعض مسافروں کے ہاتھوں میں نظر آیا "اینی اطنہ" ہے یہاں سے مسافروں کی اچھی آمد ہوئی، پھر بھی رات اپنے ہمسفروں کے ایثار کی وجہ سے سونے کا موقع مل گیا۔

ترکی ہمسفر کا تاثر

۴ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۵۶ء

صبح ہمارا ترکی ہمسفر خاندان قیصریہ پر رخصت ہوا، رخصت ہوتے وقت انھوں نے اپنے تاثر و تاسف کا اظہار کیا، پاس کے کمپارٹمنٹ کے ایک شامی ہمسفر نے ہمارے درجہ میں آکر چائے بنا کر پلائی، شام سے یہاں تک پورے سفر میں جو چیز سب سے زیادہ افراط سے ملتی ہے اور عام مسافروں کی غذا ہے وہ کھیرا

اور ٹماٹر ہیں جو مسافر ذوق و شوق سے کھاتے ہیں۔ پنیر اور زیتون اور روٹی بھی ملتی ہے، اور ابلے ہوئے انڈے بھی، ہمارے ترکی ہمسفر احمد نے سارے راستہ بڑی خدمت کی، بار بار اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتا تھا، وہ ٹوٹی پھوٹی عربی بول لیتا ہے، کہنے لگا افسوس ہے کہ مجھے انقرہ اترنا ضروری ہے ورنہ استنبول تک آپ کے ساتھ چلتا، پھر کہنے لگا قلبی معکم (میرا دل آپ کے ساتھ رہے گا) یہ کہہ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دیر تک آبدیدہ رہا۔ قراقلی بھی ایک بڑا اسٹیشن آیا، اب ۲ بجے کے قریب انگورہ آئے گا۔

گاڑی پر صفائی کا بڑا انتظام ہے۔ گھنٹے گھنٹے دو دو گھنٹے کے بعد جمعدار آتا ہے اور جھاڑو دے جاتا ہے اور کوڑا کرکٹ اٹھا لے جاتا ہے۔ میں شامیوں ہی کو صفائی میں بہت بڑھا ہوا سمجھتا تھا، اندازہ ہو رہا ہے کہ ترک اُن سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

کچھ ترک نوجوان نظر آئے جن کے چہروں سے ذہانت اور بلند نظری ٹپکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے جن نوجوانوں کی تمنا میں عمر گزاری اور جن شاہین بچوں کی تعریف کے گیت گائے وہ اسی قوم کے افراد ہوں گے۔

انگورہ سے قسطنطنیہ تک

۲ بجے انگورہ آیا۔ انگورہ آنے سے پہلے اس کے مضافات بہت دور سے شروع ہو گئے جن سے اندازہ ہوا کہ بڑا شہر ہوگا، انگورہ آیا تو معلوم ہوتا تھا

کہ واقعی ترکی کا دارالسلطنت ہے، گاڑی پر سے لوگوں نے ایک سفید عمارت کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ کمال اتاترک کا مقبرہ ہے۔ شہر نہایت خوش اسلوب وخوشنما ہے، اسٹیشن بھی ایک نئی وضع کا ہے، مجھے انگورہ کے اسٹیشن پر اذان دے کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق تھا، پلیٹ فارم پر ایک سپاہی سے قبلہ پوچھا تو اس نے اپنا ایک آدمی ساتھ کر دیا کہ اندر نماز پڑھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ بتلا دو، ہم نے اندر نماز پڑھی اور فارغ ہوئے ہی تھے کہ گاڑی چل دی، پہلے اندازہ نہ تھا کہ انگورہ وقسطنطنیہ میں اتنا فاصلہ ہوگا جیسا دو صوبوں میں ہوتا ہے، خیال تھا کہ جیسا قریب کے دو شہروں (مثلاً لکھنؤ، کانپور، امرتسر، لاہور) میں ہے ویسا ہی فاصلہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ۱۴ گھنٹے کے ایکسپریس کے سفر کے بعد قسطنطنیہ آئے گا، گاڑی پر جو عرب یا ترک عورتیں سفر کر رہی ہیں، وہ سب بالکل بے پردہ ہیں اور خالص یوروپین معلوم ہوتی ہیں، مردوں میں بھی چند ہی نماز پڑھتے ہوں گے، مغربی تہذیب کا پورا تسلط معلوم ہوتا ہے۔

عین مغرب کے وقت اسکی شہر آیا، یہ ترکی کے اچھے شہروں میں سے ہے یہیں اسٹیشن پر اترا تو میری وضع قطع دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے، اتفاق سے ایک عربی داں ترک بھی آگیا جو ریلوے میں ملازم ہے اور غالباً شام میں رہا ہے میں نے اسکی مدد سے اس مجمع سے گفتگو کی، سب بڑے ذوق وشوق سے سنتے رہے۔ گاڑی چلی تو بعض نوجوانوں نے فرط محبت سے دست بوسی کے ساتھ رخصت کیا۔

استنبول میں

گاڑی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ رات بھر چلتی رہی دوستوں نے
حلب میں بتلایا تھا اور سارے راستہ سنتے آئے تھے کہ گاڑی ۸ بجے دن
سے پہلے استنبول نہیں پہنچے گی، چونکہ گاڑی بہت لیٹ تھی اس لئے توقع
تھی کہ لیٹ پہنچے گی، ۳ بجے صبح ہوتے اچانک معلوم ہوا کہ استنبول آگیا،
پہلے یقین نہیں آیا پھر یقین کرنا پڑا کہ واقعی یہ استنبول ہے، جلد جلد سامان
تیار کیا اور ایک گونہ حیرت کے ساتھ اترے، میں نے عجلت کے ساتھ صبح کی
نماز پلیٹ فارم پر پڑھ لی، کہ معلوم نہیں اسٹیمر میں کیا مشکل پیش آئے، دوستوں
نے استنبول اپنے ایک متعارف اور رفیق کو ہماری آمد کا تار دے دیا تھا،
اور یقین تھا کہ وہ اسٹیشن پر موجود ہوں گے مگر اسٹیشن پر کوئی نظر نہ آیا،
خیال ہوا کہ ابھی بہت سویرا ہے شاید وہ اٹھ نہیں سکے، اس لئے نہیں آئے
قلی نے تقاضہ کیا کہ اسٹیمر روانہ ہو رہا ہے سب مسافر بیٹھ چکے ہیں۔ میں بھی

سوار ہوا۔ اسٹیمر حیدر پاشا سے جو قسطنطنیہ کا ریلوے اسٹیشن ہے، قسطنطنیہ کی طرف جا رہا تھا۔ اور بحیرۂ مرمرا کو عبور کر رہا تھا، سامنے شہر نظر آرہا تھا اور ہم اس تاریخی اور پر عظمت شہر کی طرف بڑھ رہے تھے جو پانچ چھ برس تک وسیع دنیائے اسلام کا دارالسلطنت اور مرکز حکومت رہا ہے، اسٹیمر راستے میں مسافروں کو متعدد مقامات پر اتارتا ہوا ایک جگہ لنگر انداز ہوا۔ اور ہمارا سفر ختم ہوا۔ خشکی پر اترتے ہوئے دو شخص جو ریلوے اسٹیشن سے متعلق معلوم ہوتے تھے از راہ ہمدردی ساتھ ہو گئے اور انھوں نے ٹیکسی پر سوار کیا اور خود بھی ہمارے ہمراہ ہو گئے۔

پریشانی و سرگردانی

حلب میں ہمارے دوستوں نے ہم کو چند شامی طالب علموں کا پتہ لکھ دیا تھا جو استنبول یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کے طالب علم ہیں۔ خط میں چار سو دو لیرہ (روپیہ) ترکی کی ایک ہنڈی بھی تھی جو ہم کو استنبول میں وصول کرنی تھی اور یہی ہمارا زادِ سفر تھا۔ لفافہ پر تاشکساپ محلہ کا نام لکھا تھا، تھوڑی دیر وقت سے ہم اس محلہ میں پہنچے، وہاں ان شامی طالب علم کی قیام گاہ نہیں ملتی تھی جہاں ہم کو جانا تھا، بڑی دشواری اور پرسش و جو کے بعد وہ مکان ملا، گھنٹی بجائی تو کوئی جواب نہیں ملا۔ بار بار گھنٹی بجائی مگر صدائے برنخاست۔ بڑی پریشانی ہوئی کہ اب کیا کیا جائے، ہمارے دونوں رفیق ترکی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اور کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، بار بار گھنٹی بجانے سے اس بلڈنگ کا محافظ نکلا تو اس نے اشارہ سے بتلایا کہ عبدالفتاح نہیں ہیں، اب کیا کیا جائے کہاں

جایا جائے، رفیقوں نے اپنے معاوضہ کا مطالبہ کیا اور بیس لیرہ ترکی طلب کئے۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس بیس لیرہ ترکی اور چند آنے تھے۔ سو لیرہ سے زیادہ لیجانے کا قاعدہ نہیں اور چونکہ اس کا یقین تھا کہ چار سو کی رقم استنبول پہنچتے ہی مل جائے گی اس لئے زیادہ رقم ساتھ نہیں رکھی گئی، ان سے اشارہ سے کہا گیا کہ یہ بہت ہے مگر انھوں نے اصرار کیا اور کہا کہ ٹیکسی کو بہت گھومنا پڑا اور ہم نے بھی بہت وقت صرف کیا اب عجب مخمصہ میں جان تھی، ہمارے پاس کل پونجی یہی بیس لیرہ تھے بالآخران کو سترہ اٹھارہ لیرہ دے کر ٹالا اور ہم نے اپنے میزبان کے دروازے پر بستر ڈال دیا، جب کافی دیر ہوگئی تو ہم نے خادم سے پھر پوچھا کہ عبدالفتاح کہاں ہیں؟ وہ بار بار ایک کلمہ کہتا تھا جو ہم سمجھتے نہیں تھے "گلر گلر" ہم نے اس کو لکھ لیا کہ کسی سے پوچھیں گے، اسی کے ساتھ وہ ہر مرتبہ ایک تقریر کرتا جو ہمارے لئے محض لاطینی یا یونانی تھی۔ آخر تنگ آکر ہم نے اس سے کہا کہ یہاں کوئی عربی یا انگریزی داں آدمی نہیں ہے اس کے جواب سے معلوم ہوا کہ کوئی انجینیر صاحب ہیں جو انگریزی جانتے ہیں مگر اس نے کہا کہ ۹ بجے سے پہلے اُن سے ملاقات نہیں ہو سکتی، یہ سب باتیں اشارے سے ہوتی تھیں، مثلاً اس کو اگر کہنا ہوتا تھا کہ ۹ بجے ملاقات ہوگی تو ہماری گھڑی کے ڈائل پر ۹ کے ہندسہ پر انگلی رکھ کر بتلاتا کہ اتنے بجے ملاقات ہوگی اب ایک ایک گھنٹہ پہاڑ تھا یہ فکر الگ کھائے جارہی تھی کہ اگر ہمارے میزبان استنبول میں نہیں ہیں تو ہمارا انجام کیا ہوگا۔ زبان اور روپیہ یہ دو ہتھیار تھے اب اِن دونوں سے یہاں محروم ہیں نہ ٹھہرنا آسان ہے

نہ واپسی سہل ــــ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" آخر ہم نے اس کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا کہ اس کو انجنیر صاحب کے پاس بھیج دے، کارڈ پر وہ باہر تشریف لے آئے، انگریزی بول سکتے تھے، انھوں نے کہا کہ عبدالفتاح صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں یہ خادم کہتا ہے کہ ۱۲ بجے تک وہ کھانا کھانے ضرور آئیں گے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس بعض پتے ہیں یہ اتنی مہربانی کرے کہ ہمارے ساتھ ایک دو جگہ چلا چلے تا کہ ہم اپنا کچھ بندوبست کریں۔ انھوں نے پتے دیکھے تو مشورہ دیا کہ آپ فلاں صاحب سے جو ایک اسلامی دینی ہفتہ وار رسالہ کے مدیر ہیں اور آپ کے پاس ان کا پتہ ہے مل لیں، وہ اگر نہ ہوں گے تو ان کا دفتر کھلا ہوگا اور کوئی نہ کوئی عملۂ ادارت میں سے موجود ہوگا۔ ہم نے اس کو غنیمت سمجھا اور ۹ بجے کے قریب کامل ترکی کے ساتھ (محافظ اقامت گاہ کا نام ہے) چلے، راستہ بھر صرف اشاروں سے اس سے بات ہوتی تھی۔ طبیعت میں سخت انقباض اور سفر کی خستگی و ماندگی تھی، ہماری حالت یہ تھی کہ جیسے بچہ کسی کی انگلی پکڑ کر کسی بھیڑ یا میلہ میں جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر انگلی چھوٹ گئی تو پھر اسکی خیر نہیں، ہم کامل کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے لوگ ہماری وضع و قطع حیرت سے دیکھتے تھے، چہرہ پر داڑھی، سر پر ٹوپی دونوں چیزیں اس شہر کے لئے بلکہ اس ملک کے لئے نئی بن گئی ہیں، ٹرام سے اترے تو ایک نوجوان ہم کو پردیسی مسلمان سمجھ کر ازراہ ہمدردی ساتھ ہو گئے اور انگریزی میں بات چیت کی، ہم نے ان سے کہا کہ ہم فلاں صاحب سے ملنے جا رہے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں ہری

کردوں گا وہ بہت ہی برائے نام انگریزی جانتے تھے، مگر نہایت نیک نفس اور شریف نوجوان معلوم ہوتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی رہبری کے بغیر منزل مقصود پر پہنچنا مشکل تھا، اور کامل اس باب میں رہبر کامل نہ تھا۔ دفتر پہنچے تو وہ موجود نہ تھے مگر ایک اسسٹنٹ کام کر رہا تھا اس نے کہا کہ "بے" پون گھنٹے میں آتے ہیں، وہ بھی نہ عربی جانتا تھا نہ انگریزی، اس سے بھی ہاتھ کے اشارے اور گھڑی کے ہندسوں کی مدد سے بات چیت ہوتی رہی، اس عرصہ میں کامل رخصت ہوا۔ اور اب ہم تنہا تھے، جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا، ملازم نے ہم کو پاس کی مسجد میں پہونچا دیا اور خود واپس آگیا کہ میرے پاس دفتر کی کنجی ہے اس کا بڑا قلق تھا کہ یہ استنبول کا اوّل و آخر جمعہ ہے، آج جمعہ کی نماز شہر کی کسی بڑی مسجد میں پڑھتے، مگر مجبوری ہے۔ وہاں ایک اور ترکی نوجوان نے ہمیں اپنے چارج میں لے لیا اور اشاروں میں ہم دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ ابھی اذان میں کچھ وقفہ تھا مگر مسجد بھرنے لگی تھی، لوگ آرہے تھے اور ہیٹ اتار کے اپنی جیبوں سے کپڑے کی ٹوپیاں نکال کر سر پر رکھ کر نہایت ادب اور خاموشی کے ساتھ بیٹھتے جارہے تھے، ایک ترک واعظ ترکی میں وعظ کہہ رہا تھا اور سب نہایت خاموشی اور وقار کے ساتھ سُن رہے تھے۔ مصر و شام کا سا شور و شغب نہ تھا۔ اذان ہوئی اور عربی میں ہوئی، سب نے سنتوں کی نیت باندھ لی، خطیب صاحب تشریف لائے، سر پر عمامہ، ٹھوڑی صاف، نوجوان معلوم ہوتے تھے عربی میں خطبہ دیا جو لکھ کر لائے تھے۔ پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد ترکی میں کچھ

کہا، پھر نماز پڑھائی، مسجد بالکل بھر گئی تھی، اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ استنبول ہے، جو ابھی کچھ پہلے یورپین شہر معلوم ہوتا تھا جس کو اسلام و اسلامیات سے کوئی علاقہ نہ تھا اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہاں مسلمان بستے ہیں۔ اب تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ خالص اسلامی شہر ہے اور یہاں صرف مسلمان ہی بستے ہیں۔

نماز کے بعد اس کی فکر تھی کہ اگر دفتر کا ملازم ہمیں نہ ملا تو نہ دفتر تک پہنچنا آسان ہے نہ اپنے سابق محلہ میں، لیکن قسمت سے ملازم انتظار میں کھڑا تھا، وہ سیدھا دفتر لے گیا اور وہاں وہ حادثہ پیش آیا جو ساری عمر یاد رہے گا اور جس نے ہمارے اعصاب وحواس کو کچھ دیر تک بالکل متاثر رکھا، ہم دفتر میں داخل ہوئے تو مدیر مجلہ موجود تھے علیک سلیک ہوئی۔ انھوں نے چائے لانے کے لئے اشارہ کیا ہم نے ان کو ان کے اور اپنے مشترک دوست کی تحریر دکھائی کہ انھوں نے آپ کا پتہ لکھا ہے اور ہمیں آپ سے ملنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ ہم کو ایک دوسرے کمرے میں لے گئے، ادھیڑ عمر کے آدمی ہیں جدید ترکی وضع میں ہیں، توقع تھی کہ وہ عربی بخوبی جانتے ہوں گے، اس لئے کہ ان کے رسالے میں عربی مضامین کا ترجمہ شائع ہوتا رہا ہے اور ان کے کتب خانے میں عربی کتابیں نظر آرہی تھیں لیکن معلوم ہوا کہ بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا ست۔

وہ بھی عربی کا ایک لفظ نہیں بول سکتے تھے، معلوم نہیں سمجھتے بھی تھے کہ نہیں، انھوں نے دوسرے کمرہ میں بیٹھ کر ہماری کاپی پر سب نام اور پتے

پڑھے جو ہم کو ملاقات کے لئے دیئے گئے تھے۔ پھر بڑے اطمینان سے وہ دو ورق ہماری کاپی سے چاک کئے، ایک پتہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر نقل کیا۔ پھر وہ خط کھول کر پڑھا جس میں ہمارا تعارف اور ۴۰۰ روپیہ کی ہنڈی تھی اور گویا ہماری اس ملک میں واحد مالیت اور زاد راہ تھا۔ پھر یہ سب اوراق جن پر پتے لکھے ہوئے تھے اور وہ خط جس میں ہنڈی تھی اپنے ہاتھ سے چاک کر دیا، اور ان سب کاغذات کو ریزہ ریزہ کر دیا، یہ سب اس طرح آناً فاناً ہوا کہ ہم دیکھتے رہے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہنے لگے کہ لایجوز لایجوز، یہی عربی کے دو لفظ تھے جو ہم نے ان سے اوّل و آخر سنے اب ان سے کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

کچھ راز سمجھ میں نہ آیا، خیال ہوا شاید یہ مجنوں شخص ہے اور ہم اس کے جنون کا مفت میں شکار ہوئے کبھی خیال ہوتا کہ شاید اس نے ہم کو سائل سمجھا اور یہ چاہا کہ ہم اس شہر میں سوال نہ کر سکیں یا شاید اس نے ان تحریروں کو جعلی سمجھا غرض ہم بالکل حیران اور ششدر رہ گئے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت ایک غریب الوطن مسافر کی حالت کیا ہوگی جو نہ کسی کی سمجھ سکتا ہے نہ اپنی سمجھا سکتا ہے اور جو بالکل خالی ہاتھ رہ گیا۔ وہ یہ کارنامہ انجام دے کر اطمینان سے اپنے کمرہ میں چلے گئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے کچھ دیر تک تو ہم ایک سکوت کی حالت میں بیٹھے رہے پھر خیال ہوا کہ اس بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ

اس شخص سے کم سے کم وہ پتہ تو حاصل کرنا چاہئے جو اس نے ایک کاغذ پر نقل کر لیا تھا اندر گئے تو وہاں ایک شخص مل گئے جو عربی اچھی جانتے تھے ان سے ہم نے اپنی رام کہانی کہی، انھوں نے ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ شخص نہایت ڈرپوک ہے اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ ان پتوں اور تمھاری ملاقات سے اس کو نقصان پہنچے گا، ہم نے ان سے کہا کہ آپ اس سے ہمیں وہ پتہ دلا دیجئے جو اس کے پاس ہے، انھوں نے وہ پتہ دلا دیا اور اس شخص نے اتنی مہربانی کی کہ اپنے اسسٹنٹ کو ہمارے ساتھ کر دیا کہ ان کو عبدالفتاح صاحب کے پاس پہنچا دو۔ ایک پتہ اور ایک خط ہم نے اپنے پاس رکھ لیا تھا اور ایک نام یاد رہ گیا تھا۔ وہ دو پتے ان صاحب نے الگ الگ کاغذوں پر لکھ دیئے اور ملازم کو ہدایت کی کہ ان پتوں پر ان کو پہنچا دینا۔ ان عربی داں صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو عبدالفتاح صاحب نہ مل سکیں تو بہتر ہے کہ آپ اس دوسرے پتہ پر چلے جائیں، حاج نظیف چلبی اچھے مسلمان آدمی ہیں اور جری ہیں اور عربی بھی جانتے ہیں، آپ ان کے یہاں ٹھہر جائیں، غرض ہم اب تن بتقدیر اس آدمی کے ساتھ چلے، پہلے وہ ہمیں اُن تیسرے صاحب کے یہاں لے گیا جن کا نام یوسف ضیا ہے اور حلب کے مجذوب بزرگ شیخ عبداللہ زین العابدین نے بڑی تعریف و توصیف کا خط ان کے نام لکھ دیا تھا، انھوں نے وہ خط پڑھا سر پر رکھا اور بڑی توقیر سے ملے لیکن یہاں بھی یہی کیفیت پیش آئی کہ وہ نہ عربی کا ایک لفظ جانتے تھے نہ انگریزی کا، انھوں نے ہماری بے بسی دیکھی تو ایک

دوست کو پاس سے بلا لائے جو انگریزی کے چند لفظ بول لیتا تھا، انھوں نے ٹھہرنے کے لئے اصرار کیا۔ ہمیں عبدالفتاح صاحب سے ملنے کی فکر تھی جن کے پاس ٹھہرنے کی بھی سہولت تھی اور ہنڈی کے وصول ہونے کی بھی امید، ان سے معذرت کرکے ہم روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ لپکے ہوئے آئے ہمارا ہاتھ پکڑا اور ایک ٹیکسی پر ہم کو سوار کیا اور اس کا کرایہ ادا کیا اور اس کا پھر اطمینان کیا کہ ہم ان سے ضرور ملیں گے۔ ان کی اس شرافت اور ہمدردی سے بہت خوشی ہوئی۔

عبدالفتاح کے یہاں پہنچے تو پھر وہی صورتحال تھی وہ موجود نہ تھے، کامل سے اشاروں سے معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک نہیں آئے، سخت پریشانی ہوئی، اب شام ہو رہی تھی، فکر اس کی تھی کہ رات کہاں گزرے گی اور کس طرح گزرے گی۔ ہوٹل میں ٹھہرنا مشکل، نہ خرچ نہ زبان، آخر حاج نظیف چلبی کے مکان کا رخ کیا، جستجو کے بعد ان کا مکان ملا تو وہ موجود نہ تھے مگر ان کے گھر والوں نے بٹھایا، قہوہ پیش کیا، مکان ایک دیندار عربی الذوق آدمی کا معلوم ہوا اور کچھ جان میں جان آئی، معلوم ہوا کہ دوسری جگہ ہیں، ان کو ٹیلیفون کیا تو انھوں نے عربی میں خیر مقدم کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ واقف ہیں ہم نے ان سے کہا کہ ہم آپ کے مکان پر ہیں آپ تشریف لائیے انھوں نے وعدہ کیا مگر دیر تک وہ نہیں آئے تو پھر پریشانی ہوئی، اب ملازم نے رخصت طلب کی اور اشارہ سے بتلایا کہ ۹ بج گئے ہیں اور دفتر کی کنجی میرے پاس ہے

میرا جانا ضروری ہے، اس وقت بڑی بے بسی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ معذرت کرتا رہا، اب خیال ہوا کہ اگر صاحب مکان نہ آئے اور گھر والوں نے ٹھہرانے میں تامل کیا تو کیا ہوگا، آخر اس شخص کو باہر نکل کر خود خیال آیا کہ تنہا نہ چھوڑنا چاہئے، اس نے حاجی صاحب کی بچی سے ترکی میں کچھ بات چیت کی اور ہمیں اشارہ کیا کہ آئیے، اب بچی آگے آگے اور ہم دونوں پیچھے پیچھے گلیوں اور سڑکوں کو عبور کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه کی کیفیت ہے۔ اس وقت اپنی بے بسی بے کسی، بے زبانی، بے بضاعتی کا پورا پورا احساس ہوا اپنی حقیقت بالکل عیاں ہو گئی وہی ہم ہیں کہ دمشق میں اس کی کوشش کرتے تھے کہ کوئی واقف نہ ملے اور ہم چپکے چلے جائیں، پھر بھی متعارفین ملتے تھے، ملاقات کرنے والوں اور مدعو کرنے والوں سے طبیعت پریشان تھی اور یہاں حالت یہ ہے کہ

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

ایک آشنا اور ایک ہم زبان نظر نہیں آتا، ساری خطابت اور زباں دانی رکھی رہ گئی، پڑھا لکھا اس وقت کچھ کام نہیں آرہا ہے۔

اسباب و وسائل سب جواب دے گئے تھے، تعارفی خطوط بھی خاک میں مل گئے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء، ورد زبان

تھا مگر پریشانی میں دل ودماغ ساتھ نہیں دیتے، عین اسی کیفیت میں کہ بچی اور ملازم کے پیچھے کسی نہ کسی طرح قدم اٹھائے چلا جا رہا تھا، کہ وہ چار شامی رفیق جو ایک ہی درجہ میں ہمسفر تھے، اطمینان سے سڑک کے کنارے پھل کھاتے ہوئے نظر آئے، انھوں نے دیکھ کر کہا کہ استاد آپ یہاں کہاں ہم نے ان کو جلدی جلدی داستان سنائی اور ان سے بے تکلفی سے کہا کہ اگر ہم کو اس آخری کوشش میں کامیابی نہ ہوئی تو ان کو یہ رات ہمیں اپنے ساتھ ٹھیرانا پڑے گا، انھوں نے کہا کہ بخوشی، ہم نے کہا کہ ایک آدمی ساتھ کر دیجئے جو ہم کو آپ تک پہنچا دے۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ ایک نوجوان جس کے چہرہ پر چھوٹی سی داڑھی، سر پر ہیٹ تھی لپکتا ہوا آیا اور ہمارا ہاتھ پکڑ لیا اور عربی میں کہا کہ آپ کب آئے۔ ہم نے کہا کہ تم کون ہو، کہا ہم دمشق میں نہیں ملے تھے؟ اور آپ کو پتہ نہیں دیا تھا؟ اور تاکید نہیں کی تھی کہ جس وقت آپ ترکی کے حدود میں قدم رکھیں ہم کو تار دیں اگر ہم ۸۰۰ سو میل پر بھی ہوں گے تو حاضر ہو جائیں گے اور آپ کے ساتھ رہیں گے، ہم نے اس کو فرشتۂ رحمت اور امداد غیبی سمجھا اور اس وقت ہماری کیفیت وہ تھی جو حدیث میں اس شخص کی بیان کی گئی ہے جس کا اونٹ پورے سامان کے ساتھ گم ہو گیا تھا اور وہ زندگی سے مایوس ہو کر تھک کر پڑ گیا تھا۔ آنکھ کھلی تو اونٹ سرہانے اپنے پورے سامان کے ساتھ کھڑا تھا، ہم نے اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ آؤ، قدرت کی کارسازی دیکھئے وہ شخص خود حاج نظیف حلبی کے

یہاں جا رہا تھا۔ اس نے بتلایا کہ حاجی صاحب نے مجھ سے سعید رمضان کے نام خط لکھوایا ہے، میں صبح اس کو دینے آیا تو وہ ملے نہیں۔ اگر وہ مل جاتے تو میں آج ہی انقرہ چلا جاتا۔ اب اس وقت یہ خط ان کو دینے جا رہا ہوں۔ اب ہم چاروں ساتھ چلے، حاجی صاحب کی دوکان پر پہنچے جو بزازہ کی بہت بڑی دوکان معلوم ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد حاجی صاحب ملے اور کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کیا، ساری داستان سنی انھوں نے کہا اب آپ ہمارے مہمان ہیں، اپنا گھر سمجھئے، جتنے روپیہ کی ضرورت ہو بے تکلف پیش کر دیا جائے گا، ان کے کچھ دوستوں نے ترکی میں ان سے کہا کہ سوچ سمجھ کر اس پردیسی کو اپنے گھر لے جانا چاہئے، زمانہ بہت خراب ہے اور احتیاط کی ضرورت ہے، انھوں نے کہا کہ خواہ خطرہ ہو میں ان کو لے جاؤں گا اور اپنے یہاں رکھوں گا، مغرب کے وقت وہ اپنے گھر لائے، بٹھایا اور محبت کی باتیں کیں، کچھ دیر کے بعد کھانا منگوایا اور ہم نے گویا روزہ افطار کیا۔ دن بھر صرف چائے اور قہوہ کی ایک ایک دو دو پیالی جو کسی نے پیش کر دی تھی پی لی تھی۔

پریشانی کا خاتمہ

ابھی ہم کھانا کھا رہے تھے کہ دو نوجوان تیز قدم کمرے میں داخل ہوئے اور انھوں نے سلام کے بعد کہا الحمد للہ الذی جمعنا بکم ان میں سے ایک عدنان حلبی تھے اور دوسرے طٰہٰ عراقی۔ یہ دونوں میڈیکل کالج

کے طالب علم ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم بیس پچیس شامی و عرب طالب علم صبح سے آپ کو تلاش کر رہے ہیں ہم نے شہر کا کوئی کونہ جہاں آپ کے ملنے کا احتمال تھا نہیں چھوڑا، بڑی بڑی مسجدوں میں اپنے آدمی پھیلا دیئے، بڑے بڑے ہوٹلوں میں جا کر دریافت کیا، ہندوستان اور پاکستان کے سفارت خانوں اور سیاحت کے دفتر معلومات میں تحقیقات کی کہ اس نام کے کوئی صاحب آج گاڑی سے اترے ہیں یا نہیں، بالآخر امن عام کے محکمۂ پولیس کو اطلاع کی کہ وہ ہماری مدد کرے، آخر عبد الفتاح کے کمرے میں آپ کا پرزہ ملا جس میں آپ نے مجلہ اسلامیہ اور حاج چلبی کا پتہ لکھا تھا کہ ہم وہاں جا رہے ہیں، اس پتہ سے ہم یہاں پہنچے، ہم نے ان سے کہا کہ آخر کیا قصہ پیش آیا؟ انھوں نے کہا کہ اچانک گاڑی کا وقت تبدیل ہو گیا ہمیں علم نہ تھا ہم پہلے کے مطابق یہاں سے چار بجے کے بعد روانہ ہوئے کہ گاڑی چھ بجے کے بعد آتی ہے، معلوم ہوا کہ آج گاڑی ۲ بجے آگئی اور مسافر اتر گئے اس وقت سے ہم آپ کی تلاش میں ہیں ہم میں سے کسی نے اس وقت تک کھانا نہیں کھایا اور نہ آرام کیا۔ اب ہم اپنے رفقا کو مطلع کرتے ہیں کہ وہ سب پریشان و سرگرداں ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ جس مکان میں ہیں اس سے ۲۰۔ ۲۵ گز کے فاصلہ پر ہم مقیم ہیں مگر نہ آپ کو ہماری خبر ہو سکی اور نہ ہمیں آپ کی۔

خدا کی قدرت ہے کہ یا تو آشنا نہیں ملتا تھا، جب اللہ کا ارادہ ہوا تو سب آشنا و شناسا اور مخلص مل گئے، حاجی صاحب نے اصرار سے ان کو کھانا

کھلایا، ہم نے نماز پڑھی اور اب دوستوں کی آمد شروع ہوئی، زین العابدین خیر اللہ اخوان کی طرف سے ان سب طلبار کے نگراں ہیں اور میڈیکل کالج کے پانچویں سال میں پڑھتے ہیں اور جن کے نام ہنڈی اور تعارفی خط تھا آئے اور بڑے مخلصانہ طریقہ پر ملے اور بڑی معذرت اور اظہار ندامت کیا، ہنڈی کا واقعہ سن کر انھوں نے کہا کہ اسی وقت یہ رقم پیش کی جاسکتی ہے ہم نے کہا کہ اب اس کی عجلت نہیں، عشار کی نماز پڑھ کر یہ احباب یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ آج کی رات تو حاجی صاحب کے ہاں اکرانا ٹھیر جائیں کل سے اپنے گھر ٹھہریے گا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک پر

۶ر ذیلقعدہ ۸۵ھ مطابق ۱۶ر جون ۵۶ء

صبح سے احباب آگئے اور ہمیں اپنے ساتھ لے کر بازار آئے، چائے پی، اور حجامت بنوائی جو کافی بڑھ گئی تھی، وہاں سے ٹیکسی پر دن کا پروگرام شروع ہوا، دوستوں نے پوچھا کہ کہاں سے ابتدا کریں، ہم نے کہا نبدأ بما بدأ اللہ بہ۔ جس سے اللہ نے ابتدا کی اسی سے ہم بھی ابتدا کریں گے، یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک کی زیارت کریں گے جو اس سرزمین میں اسلام کا پہلا نشان ہے اور جو اس شہر کے حقیقی فاتح ہیں ہم نے اس نفس قدسی کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور اس کو سلام کیا جس کو اللہ نے میزبان عالم کی میزبانی کا شرف بخشا تھا اور جو اس ملک میں اللہ کا پیغام لے کر

آیا تھا اور اس کو اللہ کی حکومت میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ جب اس کا وقت آخر ہوا تو اس نے وصیت کی کہ مجھے اس سرزمین میں جتنی دور لے جاکر دفن کر سکو دفن کرنا تاکہ جہاں تک میں زندگی میں فاتحانہ نہیں پہنچ سکا وہاں مرنے کے بعد پہنچ جاؤں، چنانچہ ایمان و بلند ہمتی کی یہ امانت قسطنطنیہ کے دیوانے پر ودیعت ہے اور اس سرزمین کی سب سے قیمتی متاع ہے اسکے جلال ایمانی اور شرف صحابیت کے آگے سلاطین ترکیہ کا جلال ہمیشہ سرنگوں رہا اور اسی تواضع اور ادب سے سلاطین آل عثمان نے دنیا میں سرفرازی پائی۔ اللہ کی ہزاروں لاکھوں رحمتیں ہوں اس میزبان نبوت پر اور اس مجاہد عالی ہمت پر۔

آسماں اسکی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جامع ایا صوفیہ میں

سیدنا ابو ایوب کے بعد سلطان احمد کی مسجد میں گئے جو اپنی زیب و زینت نقاشی اور فن تعمیر کے لحاظ سے قسطنطنیہ کی سب سے بڑی مسجد ہے وسعت میں بھی وہ جامع سلیمانی کے بعد دوسرے درجہ کی مسجد سمجھی جاتی ہے، ترکی مساجد و جوامع کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسقف حصہ بہت وسیع ہوتا ہے اور برخلاف مغل عہد کی مسجدوں کے کہ مسقف حصہ مختصر اور صحن وسیع ہوتا ہے۔ جامع سلطان احمد کے بعد ہم ایا صوفیہ آئے، جو بازنطینی عہد سلطنت کا سب سے بڑا کلیسا تھا اور ترک سلاطین نے اسکو تھوڑی ترمیم کے ساتھ مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، کمال

اتاترک کے "اصلاحی کارناموں" میں سے یہ کارنامہ بھی ہے کہ اس نے اس مسجد کو جس میں صدیوں نماز پڑھی گئی ہے اور جس کا چپہ چپہ سجدوں اور مومنوں کی پیشانیوں کے نشانوں سے معمور ہے۔ آثار قدیمہ میں شامل کر دیا اور ایک تاریخی عمارت کے طور پر ایک عام سیرگاہ بنا دی، اب اس مسجد میں نماز قانوناً دوستوں نے بتلایا کہ جب استاد مصطفیٰ السباعی پچھلے دنوں قسطنطنیہ آئے تھے تو انہوں نے باوجود اس علم کہ یہاں نماز ممنوع ہے دو رکعت پڑھ لی تھی ہم نے بھی ارادہ کیا کہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں، چنانچہ محراب میں پہنچ کر دو رکعت کی نیت باندھ لی، گائڈ اور پہرے دار یاسک یاسک (ممنوع ممنوع) کہتا رہا مگر ہم نے نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد کچھ دیر کتب خانہ میں بیٹھے، وہاں ایک یوگوسلاوی نوجوان جو یونیورسٹی کا طالب علم ہے ایک جاہلی شاعر پر کام کر رہا ہے فارسی جانتا ہے اس سے فارسی میں بات چیت ہوئی۔

گلھانہ پارک کی سیر

جامع ایا صوفیہ سے نکل کر ہم نے گلھانہ پارک کی سیر کی جو یہاں کا سب سے بڑا پارک ہے اور عام سیرگاہ ہے لیکن داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ اتاترک کا یہ محبوب پارک ہے اور اس کی خصوصی سیرگاہ تھی۔ پارک کے ایک سرے پر اس کا مجسمہ نصب ہے اسکو دیکھ کر ہماری زبان سے بے اختیار نکلا کہ ماولدت الامة الترکیة اشأم منه رفقا نے اس کا لطف لیا۔ گلھانہ پارک شہر کی بڑی سیرگاہ ہے۔ ہر چند قدم پر ریسٹوراں اور ہوٹل ہیں، مردوں،

اور عورتوں کا ہجوم اور انکی آزادی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی شہر کا پارک نہیں ہے بلکہ لندن کا ہائیڈ پارک ہے۔

آبنائے باسفورس میں

گلہانہ پارک سے فارغ ہوئے تو زین العابدین صاحب نے محلہ "سرکجی" کے ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا، وہاں عرب طالب علموں کے ساتھ کھانا کھایا اس کے بعد کا پروگرام یہ تھا کہ باسفورس میں کچھ دور جا کر ایک دوست کے مکان پر چند ترک نوجوانوں سے ملاقات کریں گے اور ان سے خطاب کیا جائے گا، چنانچہ ایک اسٹیمر پر روانہ ہوئے، اسٹیمر کے سارے درجے مسافروں سے بھرے ہوئے تھے مسافر جا بجا اسٹیشنوں پر اترتے جاتے تھے۔ باسفورس کے دونوں کنارے آبادیاں اور شہر کے مضافات ہیں، ہمارا اسٹیمر باسفورس میں جا رہا تھا جس کا نام بچپن سے سنتے تھے آبنائے باسفورس کے مغربی جانب قسطنطنیہ کا عظیم الشان شہر آباد ہے اور ترکی کا وہ حصہ ہے۔ جو براعظم یورپ میں شامل ہے دوسری جانب مشرق میں اناطولیہ اور سلطنت ترکیہ کا ایشیائی حصہ ہے جو سلطنت کے سب سے بڑے حصہ پر مشتمل ہے دونوں طرف سنگین عمارتیں اور قلعے نظر آتے ہیں اور نہایت دلفریب مناظر ہیں کچھ آگے بڑھ کر مغربی جانب خیر الدین بیبرس کا مجسمہ نظر آیا، یہ خیر الدین اس مشہور ترکی بحری بیڑہ کا بانی ہے جس نے سارے یورپ میں ترکی کی دھاک بٹھا دی تھی اس کے کنارے دولمہ باغیچہ کا شاندار محل نظر آیا جو بالکل سمندر کے کنارے ہے، یہ سلطان عبد العزیز کا

محل ہے جو سلطان عبدالحمید سے پہلے فرمانروائے سلطنت عثمانیہ تھے، ان مناظر کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ ایک قدرتی قلعہ ہے جس کی قدرت الٰہی نے پوری مورچہ بندی کر دی ہے۔ پھر وہ یورپ وایشیا کا سنگم ہے، اس پر نپولین کا یہ قول باربار یاد آتا ہے کہ اگر دنیا ایک متحدہ سلطنت بن جائے تو اس کے لئے قسطنطنیہ سے بڑھ کر کوئی موزوں دارالسلطنت نہ ہوگا۔

ترک نوجوانوں کے اجتماع میں ہماری تقریر

۶۔ ۷ میل چل کر وہ تنگ نائے آئی جس کے مشرقی جانب اناضولو حصار اور مغربی جانب رومِلی حصار ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ترک ترکتاز مغربی جہازوں اور بیڑوں کا شکار کھیلتے تھے اور ان کا قافیہ تنگ کرتے تھے اس تنگ نائے سے آگے بڑھے تو رومِلی حصار کے ایک حصّہ میں ہم لوگ جہاز سے اتر آئے، ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی پھر ایک شامی نوجوان طالب علم کے مکان پر گئے وہاں میڈیکل کالج اور انجینیرنگ کالج کے وہ طلباء جمع تھے جو اسلامی افکار و دعوت سے متاثر ہیں اور ہمارے شامی و عراقی طالب علموں نے ان سے ربط پیدا کر رکھا ہے، ان نوجوانوں کی وجاہت اور وقار دیکھ کر اقبال کے اس شعر کے معنی سمجھ میں آئے کہ ؎

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی

یہ میڈیکل کالج اور انجینیرنگ کالج کے آخری درجوں کے طالب علم تھے

اور بعض ایسے بھی تھے جو طالب علمی سے فراغت حاصل کرکے اب کالج کے اسٹاف میں شامل ہونے والے تھے، زین العابدین صاحب نے ہماری تقریر کا عربی ترجمہ کرنے کی ذمہ داری لی، اور ہم نے ان نوجوانوں سے یوں خطاب کیا کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے جو ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ کہا کہ ہر شخص خدا سے اپنی منہ مانگی مراد مانگے کسی نے کہا کہ یہ گھر سونے چاندی سے بھرا ہوا ہو اور ہم راہِ خدا میں خیرات کریں، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا۔ آخر میں حضرت عمر نے کہا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ گھر خالد و ابو عبیدہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہوا اور میں ان کو راہ خدا میں بھیجوں اور ملک فتح کروں ان بڑوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم بھی اپنی خواہش کا اظہار کریں مگر یہ کوئی گناہ کی بات نہیں، ہمارا بھی بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آپ سب لوگ دین کے احیاء کے کام میں لگ جائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر صرف آپ چند نوجوان اس چیز کا بیڑا اٹھا لیں کہ اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں گے اور اسلام کو دوبارہ زندہ کریں گے تو تنہا آپ لوگ اس ملک میں دینی انقلاب لا سکتے ہیں لیکن اسکے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک اپنی قیمت پہچاننے کی اور اس کو ارزاں فروشی سے بچانے کی، دوسرے عزم راسخ کی، پھر ہم نے کہا کہ آپکے سامنے ہم عزم راسخ کی چند مثالیں پیش کریں گے۔ ایک مثال دور اوّل کی محمد بن قاسم کی ہے جس نے سترہ برس کی عمر میں سندھ فتح کرلیا جو آج کالج کے طالب علموں کی عمر سے بھی کم ہے دوسری دور متوسط کی محمد فاتح کی آپ کو معلوم ہے کہ اس نے کس سنہ

میں قسطنطنیہ فتح کیا؛ ان نوجوانوں میں سے ایک نے جواب دیا کہ بائیس سال کی عمر میں! ہم نے کہا کہ تیسری مثال حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ہے جن کا سلسلہ ترکی میں خوب پھیلا ہے۔ ان کے زمانے کے سب سے طاقتور و باجبروت فرماں روا اکبر نے اس کا عزم اور انتظام کیا تھا کہ ملک ہندوستان کو لادینی اور جاہلیت کے راستہ پر ڈال دے اور پورے ملک کا رُخ ہمیشہ کے لئے تبدیل کر دے اس کو اسلام سے عناد پیدا ہو گیا تھا حتیٰ کہ محمد نام رکھنا بھی اسکو گوارہ نہ تھا اس کے مقابلہ میں شیخ احمد نے فیصلہ کیا کہ اس ملک کو پھر اسلام کا حلقہ بگوش بنانا ہے اور اکبر کے اثرات کو مٹانا ہے، اکبر اور اسکے جانشینوں کے پاس وہ سب وسائل تھے جو سلاطین وقت کے پاس ہوتے ہیں اس فقیر بے نوا کے پاس سوائے عزم و توکل و اخلاص کے کوئی وسیلہ اور کوئی پونجی نہ تھی۔ اس نے اپنی بصیرت خداداد سے یہ محسوس کیا کہ اس ملک میں فوجی انقلاب خطرناک ہے اس لئے کہ دوسری طاقتیں موقع کی منتظر ہیں، اس نے اہل دربار اور ارکان سلطنت سے ربط پیدا کیا اور اپنے اخلاص و بے غرضی للّٰہیت و روحانیت و دل سوزی سے ان کے دل میں گھر کر لیا اور ان سب کو اپنی محبت و عقیدت کا اسیر بنا لیا اور خاموشی سے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے تخت پر جہاں گیر آیا جس کے دل میں اسلام کا احترام تھا اس کا جانشین شاہجہاں ہوا جس نے تخت طاؤس پر بیٹھ کر اپنے مالک کو فراموش نہیں کیا اور اس کے سامنے سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کیا۔ اس کا جانشین عالمگیر ہوا جس کے اصلاحی کارنامے اور جسکی دینداری

شہرہ آفاق ہے اور جو فتاوی عالمگیری کا مجوزہ ومہتمم ہے یہ انسانی عزم و ارادہ کی طاقت وکامیابی کی ایک مثال ہے یہ آبنار باسفورس کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے قلعے اور حصار اور یہ قسطنطنیہ کا عظیم شہر انسانی عزم کی مثال ہے

پھر ہم نے ان سے کہا کہ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ ایمان اور موجودہ تمدن کے وسائل اور بخشی ہوئی طاقتوں کو جمع کرکے انسانی زندگی کی صحیح تنظیم کی جائے، ایمان کا سرچشمہ صرف ایک ہے، اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام کی ذات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ وسائل آپ بے شک پیدا کر سکتے ہیں اور دوسروں سے مستعار لے سکتے ہیں، آج انسانیت کی بہی بڑی بدقسمتی ہے کہ وسائل وتنظیمات کے مالک ایمان سے محروم ہیں اس کی وجہ سے زندگی ایک عذاب بن گئی ہے اگر جدید ترکی کے معماروں کو خدا توفیق دیتا اور ان کو اتنی عقل ہوتی کہ ایمان وتنظیم جدید کو جمع کرتے تو آج ترکی یورپ کا امام ہوتا مگر افسوس

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

پھر ہم نے ان سے کہا کہ آپ یورپ سے اس کی ترقیات وتنظیمات لیکر صرف اس کے شاگرد بن سکتے ہیں، ممکن ہے شاگرد رشید بن جائیں لیکن ایمان کی دعوت لے کر اگر کھڑے ہوں تو آپ اسکے امام بن سکتے ہیں، بتلائیے! شاگرد بننا زیادہ عزت کی بات ہے یا استاد و پیشوا بننا، ان سب نے بالاتفاق کہا کہ

استاد و پیشوا بننا، پھر ہم نے ان کو اقبالؔ کے دو شعر سنا کر اپنی تقریر ختم کی۔ وہ دو شعر یہ تھے۔

اللہ رکھے ترے جوانوں کو سلامت — دے انکو سبق خود شکنی خودنگری کا
تو انکو سکھا خارہ شگافی کے طریقے — مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

آخری شعر کا جب ترجمان نے ترجمہ کیا اور مغرب کی شیشہ گری کی تشریح کی تو وہ نوجوان بہت متاثر معلوم ہوتے تھے، ہم یہ تقریر کر رہے تھے اور بالاخانہ کی کھڑکی آبنائے باسفورس کی طرف کھلی ہوئی تھی اور سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آرہا تھا، بار بار جی چاہتا تھا کہ یہ بحر و بر پھر رایت اسلام کے سایہ میں ہوں۔
ہماری تقریر کے بعد ان طالب علموں میں سے ایک طالب علم اسماعیل نے جو میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم ہیں موزوں الفاظ میں اپنے تاثر و امتنان کا اظہار کیا اور بعض سوالات کئے جن سے سنجیدگی کا اظہار ہوتا تھا، اجتماع کے بعد ہم نے اور ان نوجوانوں نے پاس کی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

عربی کتب کوڑیوں کے مول

روملی کے اس اجتماع کے بعد ہم شہر کی طرف واپس ہوئے اس مرتبہ ہمارے منتظم زین العابدین خیر اللہ نے بجائے جہاز سے واپسی کے موٹر کار سے واپسی کا انتظام کیا تھا۔ سمندر کے ساتھ ساتھ سڑک شہر کو جاتی ہے، انجینئر کالج کے ایک اسسٹنٹ پروفیسر موٹر ڈرائیو کر رہے تھے، انھوں نے کالج کے سامنے

موٹر رو کی اور ہم نے اسکی عمارت کے سامنے کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ کیا۔ دولمہ باغچہ قریب سے نظر آرہا تھا اور زمانہ کی بے ثباتی اور حکومت وطاقت کی بے اعتباری کا درس دے رہا تھا، آج یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ سلطان عبدالعزیز کہاں دفن ہیں، قصر شاہی مقفل ہے اور مکین زیر زمین مدفون و بئر معطلۃ وقصر مشید۔

راستہ میں بعض کتب فروشوں کی دوکانوں کے پاس سے گزرے، اب اس شہر میں جو کبھی علم کا مرکز تھا اور جس نے بڑے بڑے علمی ذخیرے دوبارہ زندہ کئے۔ عربی کتب کوڑیوں کے مول ملتی ہیں، جب عربی رسم الخط ممنوع ہے تو ان کتابوں کی قدر کرنے والا کون ہے، کچھ عرصے کے بعد ان کا نام پڑھنا ہی مشکل ہوگا، امرائے ترک لوازم امارت کی طرح کتب خانے بھی رکھتے تھے اب انکے خستہ حال ورثا ان کتابوں کو بیچ کر اپنا پیٹ پالتے ہوں گے، ایک نیا بازار بھی دیکھا جس کو یہاں قابالی جارشی یعنی بند بازار کہتے ہیں، یہ ترکی عہد کے دستور کے مطابق پورا مسقف ہے اور نہایت طویل وبارونق وآباد ہے، چند مہینے پہلے اس میں آگ لگ گئی تھی اور لاکھوں کا نقصان ہوا تھا، اب اسکی مرمت تجدید کردی گئی ہے، آتش زدگی کے آثار کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔

مغرب کی نماز ہم نے جامع والدہ میں پڑھی، یہ سلطان عبدالحمید خاں کی والدہ کی تعمیر کردہ ہے، ابھی نماز میں کچھ وقفہ تھا وضو خانہ کے پاس کچھ

سن رسیدہ ترک بیٹھے ہوئے تھے متعدد اشخاص کے چہرہ پر داڑھیاں تھیں، اور اچھی خاصی نورانی صورتیں، اتاترک نے بھی اس قوم کے ساتھ کیا مذاق کیا ہے کہ سب کو انگریزی ٹوپیاں اڑھا دیں، مغرب کی اذان ہوئی، انگریزی ٹوپیوں کے بجائے لوگوں نے اپنی اپنی جیبوں سے کپڑے کی ٹوپیاں جو سر پر منڈھ جاتی ہیں نکالیں اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مسجد میں آکر بیٹھ گئے، مسجد کا اندرونی حصہ بھر گیا، نماز پڑھنے والوں کا تناسب اب بھی ہمارے یہاں سے زیادہ ہے۔

عرب طلباء کے اجتماع میں

نماز مغرب کے بعد ہم محلہ تاش کراب میں ایک عراقی طالب علم ادریس کے یہاں گئے جہاں یونیورسٹی کے اکثر عرب طلباء جمع تھے، ان میں زیادہ تر عراق و شام کے طالب علم تھے ایک تعداد لیبیا و طرابلس کے طلباء کی بھی تھی ہم نے انکے سامنے داعی کے اوصاف و فرائض پر تقریر کی یہ سب طلباء اخوان سے تعلق رکھتے ہیں اس تعلق نے ان کو استنبول کے مفاسد سے محفوظ کر دیا ہے، بلکہ ان کو اسلام کا داعی بنا دیا ہے، داعی بن جانے کی وجہ سے یہ دوسری دعوتوں کا شکار ہونے سے بچ گئے۔ ان کا ایمان قابل رشک ہے اپنی تحریک سے ان کو بڑا گہرا تعلق اور اس کی صحت وصداقت پر بڑا اعتماد و وثوق ہے، دعوت نے ان کے اخلاق و زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے، استنبول کو ترکی کا مرکز فساد سمجھا جاتا ہے مگر یہ ان مفاسد سے محفوظ، نماز کے پابند اور اپنی دعوت میں سرگرم ہیں، اسکے باوجود جماعتی عصبیت اور اپنی جماعت کے سوا ہر جماعت کو حقیر سمجھنے کے مرض سے پاک ہیں۔ ہر دینی جماعت

کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس کے لٹریچر سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دین کے ہر داعی اور ہر عالم سے استفادہ کے لئے ان کے دل کھلے ہوئے ہیں، نہایت گرمجوش، پرمحبت اور سادہ دل ہیں، رات انھوں نے اسی مکان میں رہنے پر اصرار کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ ہم اپنے عزیزوں اور دار العلوم کے طالب علموں کے درمیان ہیں۔

کتب خانہ سلیمانیہ میں

اتوار ۷ رذی قعدہ سنہ ۷۵ھ مطابق ۱۰ رجون سنہ ۵۶ء

آج ۹-۱۰ بجے دن تک ہم کچھ تحریری کام کرتے رہے، ۱۰ بجے کے قریب طٰہ موصلی کے ساتھ کتب خانہ سلیمانیہ گئے، مہتمم کتب خانہ ایک ترک نوجوان عورت تھی مغربی تہذیب و افکار بھی کیا کیا بے جوڑ کام کرتے ہیں، ایک دینی کتب خانہ جو اسلامیات کا ذخیرہ ہے اسکے اہتمام کے لئے کوئی صاحب علم مرد نہیں ملتا تھا کہ ایک لڑکی کے سپرد اس کا انتظام کیا جائے، کتب خانہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ بغیر کسی ترک عالم یا ذی علم استاد کی رہبری و اعانت کے کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا، ہم نے اپنے ناظم امور زین العابدین صاحب سے کہا کہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے کسی استاد سے تعارف کرادیں اور اسکی درخواست کریں کہ وہ ہمیں یہاں کے کتب خانوں کی سیر کرائیں اور ان کے نوادر و آثار سے مطلع کریں، استنبول کے کتب خانے سارے عالم اسلامی میں ممتاز ہیں اور اہل نظر کا اندازہ ہے کہ جو علمی ذخیرہ یہاں ہے وہ کہیں نہیں ہے اور یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ سلطنت عثمانیہ خلافت کی جانشین

ہوئی اور سارے عالم اسلام کے ذخائر دار الخلافت میں منتقل ہو گئے، افسوس ہے کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم ایک طالب علم اور ریسرچ اسکالر کی طرح ان کتب خانوں کو دیکھ سکیں پھر بھی مالا یدرک کلہ لایترک کلہ پر عمل کیا جائے گا۔

جامع سلیمانی

ظہر کی نماز جامع سلیمانی میں پڑھی یہ اپنی وسعت وعظمت کے لحاظ سے استنبول کی سب سے بڑی مسجد ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ ترکوں نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو ایا صوفیہ کی عمارت ان کو بہت پسند آئی، انھوں نے اپنی مسجدیں اسی نقشہ پر تعمیر کیں، صرف میناروں کا اضافہ کر دیا، سیاح کو استنبول کی سب مسجدیں ایا صوفیہ ہی کے نمونہ کی نظر آئیں گی، مسقف حصہ بہت وسیع چھت نہایت بلند ڈاٹ بہت مضبوط، جامع سلیمانی کا مسقف حصہ اتنا وسیع ہے کہ ہمارے اندازہ کے مطابق ۳۰ - ۴۰ ہزار آدمی آسکتے ہیں، معلوم ہوا کہ رمضان میں عشا و تراویح میں یہ پورا مسقف حصہ بھر جاتا تھا اور باہر تک آدمی ہوتے تھے، ظہر کی نماز ان تمام دعاؤں اور تمہیدات کے ساتھ ہوئی جو ترکی کی مساجد کی خصوصیت ولازمہ ہے، پہلے تمام انبیاء وصحابہ واولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچایا گیا پھر الفاتحہ کہہ کر بانی مسجد سلطان سلیمان قانونی کی روح کو ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔

پھر مکبر نے تین بار بآواز بلند سورۂ اخلاص پڑھی، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اقامت ہونے والی ہے، پھر اقامت ہوئی، پھر سنتیں ہوئیں پھر بآواز بلند

تسبیحات پڑھیں اور نمازیوں کو ان کا فریضہ یاد دلایا پھر دعا کا اعلان ہوا اور امام نے دعا کی، ترکوں کے نزدیک یہ سب نماز کے لوازم ہیں، جو شخص انکی تکمیل سے پہلے اٹھ جائے اسکو بڑے غور سے دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بے ادب اور آزاد سا آدمی ہے، افسوس ہے کہ ایک طرف الحاد کا دھارا بہہ رہا ہے دوسری طرف ان فاضل چیزوں پر اصرار ہے۔

توپ کاپے کا عجائب خانہ

نماز کے بعد ہم نے توپ کاپے کا عجائب خانہ اور ذخیرہ کی سیر کی، یہ جامع ایا صوفیہ کے پاس ایک قدیم عمارت میں ہے جو کوئی شاہی عمارت معلوم ہوتی ہے داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، یہ سلاطین ترکی کے عہد کے ذخائر و تحائف کا مجموعہ ہے اور غالباً سونے چاندی، جواہرات، مرصع ظروف اور بیش قیمت اشیاء کا اتنا نادر اتنا بیش قیمت اور اتنا کثیر ذخیرہ دنیا کے کسی عجائب خانہ میں نہ ہوگا، سلاطین آل عثمان نے صدیوں متمدن دنیا کے غالباً سب سے بڑے حصہ پر حکومت کی ہے بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑے بڑے سلاطین ان کے باج گزار و زیر اثر رہے ہیں۔ ان سلاطین نے ان کو جو تحائف بھیجے یا انھوں نے اپنے شوق سے اپنے اور اپنی بیگمات کے لئے جو چیزیں تیار کیں وہ سب یہاں جمع ہیں، اور تماشہ گاہ عالم ہیں، ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے، اتوار کی وجہ سے سیر کرنے والوں اور سیر کرنے والیوں کا ہجوم تھا، اس کمرہ میں وہ سب ڈبے برتن، سنگاردان، قرآن مجید کے جزدان، رحل، چراغ، شمعدان، تلواریں

نیام، اسلحہ، رکھے ہوئے تھے جو مختلف سلاطین کے زیرِ استعمال یا زینت کا خزانہ تھے، ان میں جواہرات، سچے موتیوں اور سونے چاندی کا استعمال اس فراغ حوصلگی اور سخاوت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ حیرت ہوتی تھی، ایک جگہ سلطان احمد اول اور بعض سلاطین کے تخت اور نشست گاہیں تھیں جو کامل سونے کی ڈھلی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں، ایک جگہ سلطان سلیم سے لیکر سلطان عبدالحمید خاں تک لباس شاہی کے تغیرات دکھائے گئے تھے، شاہ اسمٰعیل سنوسی کا تخت بھی دیکھا جو ایرانی اور ہندوستانی صنعت اور مرصع کاری کا نمونہ تھا، عیسائی بیگمات کے زیورات بھی دیکھے جن میں صلیبیں آویزاں تھیں، سلطان مراد کا ایک طلائی صندوق تھا جس میں خرقہ شریف رہتا تھا اصلی سونے کے پورے پورے شمعدان دیکھے جس میں سے ایک ایک پر بیس بیس سیر سونا صرف ہوا ہوگا، اتنا کھرا اور آبدار کہ دور سے معلوم ہوتا تھا کہ آگ لگی ہوئی ہے، بعض واقفین کا کہنا ہے کہ اگر ترکی کسی زمانہ میں دیوالیہ ہو جائے تو اس عجائب خانہ کا سونا کچھ مدت تک پورے ملک کا خرچ چلا سکتا ہے، یہی وہ تعیشات اسراف اور عجمی تمدن ہے جس نے اس سلطنت کو کھوکھلا کر دیا اور اسکی چولیں ہلا دیں، وما ظلمنھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون

سلطان عبدالحمید خاں کا قصر یلدز

توپ کاپے سے ہم قصر یلدز دیکھنے گئے، یہ سلطان عبدالحمید خاں کا وہ مشہور قصر اور قیام گاہ ہے جس کا نام ہی ایک زمانہ میں مرعوب کرنے کے لئے

کافی تھا، کسی زمانہ میں یہ دنیائے اسلام کا مرکز اعصاب تھا، سلطان عبدالحمید خاں نہایت ذہین شخص اور بڑے باجبروت حکمراں تھے، وہ اسی قصر میں بیٹھ کر تمام سلطنت عثمانیہ کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتے تھے ہوس اقتدار نے اور ان کی غیر معمولی ذہانت یا افتاد طبع نے ان کو بڑے بڑے مصلحین اور سلطنت ترکیہ کے خیر خواہوں کی طرف سے بدگمان اور ان کا دشمن بنا دیا۔ یہ وہ قصر ہے جہاں سید جمال الدین افغانی بھی آتے تھے اور سلطان کے ساتھ گھنٹوں بیٹھتے تھے، اس قصر میں جانے کی اجازت تو نہیں ہے مگر اس کے گرد جو عظیم الشان باغ ہے اس میں جانے اور سیر کرنے کی اجازت ہے، قصر کے گرد ایک وسیع اور سنگین حصار ہے اور وہ ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ اب یہ قصر اپنے عالی شان اور عالی دماغ مکیں کا نوحہ خواں ہے، مکان و مکیں کے درمیان اب اتنا بڑا فاصلہ ہے جس کی پیمائش بھی مشکل ہے، اب اس قصر میں شاید حکومت کا کوئی محکمہ یا خفیہ پولیس کی کوئی تربیت گاہ ہے اور اس کا باغ غیر ملکی سیاحوں اور ملکی زائرین کی جولان گاہ کم ترکوا من جنات وعیون و زروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیها فاکهین کذلك واورثنها قوما اخرين ان سب مناظر سے دل و دماغ اتنے تھک گئے کہ اپنی قیام گاہ پر جلدی واپسی کا تقاضہ اور سکون کی خواہش ہوئی۔

آج اتوار ہے اور جدید ترکی میں اتوار کو سرکاری تعطیل ہوتی ہے، یہ بھی کمال اتاترک کی یادگاروں میں ہے کہ ایک ایسے ملک میں جسکی نوے (۹۰)

فی صدی آبادی مسلمان ہے اور ترک کے معنی ہی مسلمان کے ہیں، اتوار کے روز تعطیل ہو!

خوش سلیقہ اور خوش قرینہ حمام

دوشنبہ ۸ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۵۶ء

ترکی کے حمام تمام دنیا میں مشہور ہیں، زین العابدین صاحب نے ایک روز حمام میں غسل بھی پروگرام میں رکھا تھا، آج شہر کے حمام میں جو ہمارے رفقاء کے بیان کے مطابق شہر کے بہترین حماموں میں سے ہے غسل کے لئے گئے، واقعی نہایت صاف ستھرا ہے اور خوش سلیقہ، خوش قرینہ حمام ہے، کئی منزلیں ہیں اور جہاز کے فرسٹ کلاس کے کیبن کی طرح کمرے ہیں۔ الگ الگ کمرے بنے ہوئے ہیں جن میں کپڑے اتارے جاتے ہیں اور غسل کا لباس تبدیل ہوتا ہے پھر ایک بڑا ہال ہے جس میں بھاپ کا انتظام کیا گیا ہے، وہاں پسینہ آتا ہے اور بدن کا میل پھول جاتا ہے اسکے بعد الگ الگ کمرے ہیں جن میں گرم اور ٹھنڈا پانی حسب خواہش ملتا ہے، بجائے حمام کے خادم کے ہمارے رفیق ادریس موصلی نے بدن ملا اور میل اتارا، حمام کے بعد ایک فرحت اور ہلکا پن محسوس ہوتا ہے۔

جامع سلیمانی کا عجائب خانہ

حمام کے بعد ہم نے کھانا کھایا، اور ظہر کی نماز ہم نے مسجد بایزید میں پڑھی، یہاں ہم کو زین العابدین مل گئے، ان کی معیت میں جامع سلیمان

کا اسلامی ترکی عجائب خانہ دیکھا دوسری صدی ہجری سے لیکر آٹھویں اور گیارہویں صدی تک کے مصاحف دیکھے، بعض مشہور عالم خطاط، یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے، مصوری ونقاشی اور طلائی کام کے نظر فریب نمونے اجازات، تاریخی وثائق، دستاویزیں، فرامین اور ایشیائے کوچک کا اٹلس دیکھا یہاں بھی ظروف میں سونے چاندی کا استعمال اسی فراوانی سے نظر آیا جو عثمانی عہد کی یادگار ہے، سلاپچی اور لوٹا اچھا خاصا بڑا اور وزنی خالص سونے کا نظر آیا۔ شمعدان میں جو نصف قد آدم ہے، نیچے سے اوپر تک یاقوت وزمرد جڑے ہوئے ہیں۔

ترکی کے مشہور عالم شیخ حسن بصری سے ملاقات

زین العابدین صاحب کے ساتھ ترکی کے ایک عالم اور مصنف حسن بصری آفندی سے ملنے گئے۔ یہ ترکی کے قدیم علماء کا نمونہ اور یادگار ہیں، ۷۰ سال کی عمر ہے، علامہ زاہد الکوثری[1] سے بہت مشابہ ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپنے سلطان عبد الحمید کا زمانہ پایا؟ کہنے لگے اچھی طرح! ہم نے کہا کہ اُن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کہنے لگے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پکے مسلمان

---

[1] موصوف ترکی کے آخری شیخ الاسلام کے سکریٹری تھے، ترکی میں انقلاب کے بعد مصر میں مستقل قیام پذیر ہو گئے، بہت متبحر عالم اور حنفیت کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ وسعت علم میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے دو سال پہلے انتقال ہو گیا۔

تھے اور آج کل کے لوگوں کے مقابلے میں تو ان کا شمار دینداروں میں ہے لیکن ان کی طبیعت بہت شکی اور وہمی ہو گئی تھی، ہم نے کہا کہ مدحت پاشا کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہنے لگے کہ وہ ماسونیہ (فری میسن) کے ممبر تھے، حسن بصری صاحب کی باتوں سے معلوم ہوا کہ ترکی میں فری میسن کا بڑا اثر رہا ہے اور ترکی کے جدید دینی انقلاب میں اس خفیہ انجمن کا بڑا حصہ ہے، بڑے بڑے ارکان سلطنت ماسونیہ کے ممبر تھے۔ ہم نے مرحوم انور پاشا کے متعلق دریافت کیا، کہنے لگے کہ بڑا مومن شخص تھا اور بڑی محبوب شخصیت کا مالک تھا، حسن بصری صاحب سے اتاترک کے متعلق وہ معلومات حاصل ہوئیں جو دوسرے ذریعہ سے مشکل سے معلوم ہو سکتی ہیں، ان سے ہمارے بعض قیاسات کی تصدیق ہوئی، حسن بصری صاحب ترکی کی اسلام کی طرف بازگشت کی پوری امید رکھتے ہیں مگر کہتے تھے کہ قوم کو مسلسل حوادث و آلام نے زخمی کر دیا ہے اسکو ان زخموں کے اندمال اور اپنی سابقہ حالت کی طرف واپس آنے میں دقت لگے گا۔ حسن بصری صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ کے بڑے معتقد اور اس سے بہت متاثر ہیں، انھوں نے ترکی کے محکمۂ دینیات کی تحریک سے اس کا ترجمہ کیا ہے، وہ کہتے تھے کہ ایک جگہ مجھے اشکال پیش آیا، صفحہ کے اوپر کی سطر کے مضمون میں تناقض معلوم ہوتا تھا میں کافی وقت تک اس میں غلطاں و پیچاں رہا، یہاں تک کہ میں نے محکمہ دینیات کی مجلس علماء کو بھی لکھا کہ اس اشکال کو رفع کیا جائے مگر وہ بھی ناکام رہی ایک روز میں وضو کر رہا تھا کہ میں نے سنا کہ کوئی شخص عربی میں کہہ رہا ہے کہ پہلی

سطر میں جو "لم" ہے اس پر ایک فتحہ بنا ہوا ہے، اس فتحہ (َ) کے ساتھ اس عبارت کو پڑھا جائے تو اشکال رفع ہو جائے گا، چنانچہ جب اس طرح پڑھا تو اشکال رفع ہو گیا اور عبارت صاف ہو گئی۔

ترکی کے مشہور اسلامی شاعر محمد عاکف مرحوم

حسن بصری صاحب سے ہم نے پوچھا کہ ترکی کے مشہور اسلامی شاعر محمد عاکف سے متعلق آپ کے کیا معلومات ہیں؟ کہنے لگے کہ بڑا صاحب ایمان شخص تھا، اور ترکی کا عظیم شاعر تھا، محمد عاکف ڈاکٹر سر محمد اقبال کے عشاق میں سے تھے، ڈاکٹر صاحب ان کو برابر اپنی کتابیں اور کلام بھیجتے رہتے تھے، انھوں نے ان کے بہت سے اشعار بھی سنائے جو ڈاکٹر صاحب کے اشعار کا ترجمہ تھے، کہتے تھے کہ محمد عاکف مرحوم کو عربی میں بھی بہت اچھا دخل تھا اور مجھ سے اکثر مذاکرہ رہا کرتا تھا، ہم نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مولانا شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبی کا بھی ترجمہ ہوا ہے، کہنے لگے کہ ہاں! محمد عاکف مرحوم کے داماد عمر رضا نے کیا ہے مگر ترجمہ میں بہت تحریف سے کام لیا ہے، عمر رضا، محمد عاکف مرحوم کی زندگی تک تو ٹھیک رہے مگر ان کی وفات کے بعد ان کے خیالات میں بہت تغیر آگیا تھا اور وہ بھی ماسونیہ میں شامل تھے، کہنے لگے کہ اب یہ ترجمہ بھی نایاب ہو گیا ہے۔

راغب پاشا کا کتب خانہ • کلیۃ العلوم

حسن بصری صاحب کے مکان سے ہم لوگ راغب پاشا کے کتب خانے میں آئے یہاں بھی کتب خانہ کے ملازمین اور محافظین میں ایک عورت ہے معلوم نہیں

کتب خانوں کے لئے محکمہ تعلیمات یا محکمہ آثار قدیمہ نے عورتوں کو کیوں موزوں سمجھا، کتب خانے میں کوئی نادر چیز ہم نہیں دیکھ سکے، راستہ میں کلیۃ العلوم کی وہ شاندار عمارت دیکھی جو ابھی تک کسی یونیورسٹی میں نہیں دیکھی تھی، زین العابدین صاحب کا بیان ہے کہ اس پر ۵ کروڑ روپیہ صرف ہوا ہے، اگر اس میں کچھ غلط فہمی کا دخل سمجھا جائے تو اس میں شبہ نہیں کہ ۵۰ لاکھ اور ایک کروڑ کے قریب ضرور صرف ہوا ہوگا۔

ترکی مؤرخ اسماعیل حامی دانشمند سے ملاقات

عصر کی نماز پڑھ کر ہم اسماعیل حامی دانشمند سے ملنے گئے، یہ عہد عثمانی کی تاریخ کے بہت بڑے عالم و محقق ہیں، چار جلدوں میں انھوں نے عثمانی عہد کی مبسوط تاریخ لکھی ہے جس کا نام "عثمان لی تاریخ کو د نولوجبی سی" ہے یعنی (تاریخ عثمانی کی تقویم) انکی تعلیم فرانس کی ہے، معاشرت و رہائش بھی مغربی طرز کی ہے مگر خیالات و جذبات اسلامی ہیں، عرب و ترک اتحاد کے بڑے حامی و داعی ہیں، اسلامی تحریکات و اتحاد عالم اسلامی کے بڑے مؤید اور ترکی کی دینی نشاۃ ثانیہ کے بڑے خواہشمند ہیں کہتے ہیں کہ ترکی کے ۳ خاندان بڑے قدیم ہیں ایک عثمانی ایک سلجوقی، ایک دانشمند، میرا تعلق دانشمند خاندان سے ہے جو سلجوقیوں کے ابنائے اعمام میں سے ہے، دیر تک اپنے اسلامی خیالات کا اظہار کرتے رہے اور ان واقعات و اسباب پر افسوس کرتے رہے جو ترک و عرب منافرت کا باعث ہوئے، ان کو اس کا رنج ہے کہ عرب اب بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے

میں نے خود شام کا ایک ذمہ دارانہ بیان پڑھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سوریہ کے حدود طورس سے شروع ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ طورس سے شروع ہونے والا اسارا ترکی علاقہ سوریہ کا طبعی حصہ ہے ان باتوں سے سوائے کشیدگی اور مخالفت کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے، وہ اس پر بھی بڑی تشویش اور دلی رنج کا اظہار کرتے تھے کہ مصر میں لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کا رجحان ابھر رہا ہے اور بعض اخبارات میں شائع بھی ہوا ہے کہ اس پر سرکاری طور پر غور کیا جا رہا ہے، کہتے تھے کہ خود ترکی میں قدیم عربی رسم الخط کے احیار کا خیال موجود ہے اور ممکن ہے کبھی یہ خیال عمل میں آجائے، لیکن ترکی کا لاطینی رسم الخط اختیار کرنا اتنا مضر نہیں جتنا کسی عرب ملک بالخصوص مصر کا لاطینی رسم الخط اختیار کرنا مصر اور اسلام کے لئے خطرناک ہے، اس لئے کہ ترکی بہرحال ایک غیر عربی زبان ہے لیکن عربی کے لئے لاطینی خط استعمال کرنا عربی کے فنا ہو جانے اور اسلامی ثقافت پر ضرب کاری لگانے کے مرادف ہے، ہمیں نے اخبار میں اس کے خلاف مضمون بھی لکھا ہے۔

سلطان عبد الحمید خاں مرحوم

پھر کہنے لگے کہ آپ کا سلطان عبد الحمید خاں کے متعلق کیا خیال ہے میں نے کہا کہ یہ سوال تو میں خود آپ سے کرنے والا تھا، اس لئے کہ آپ اس موضوع کے عالم ہیں اور سند کا درجہ رکھتے ہیں، آپ سے جو حقائق معلوم ہو سکتے ہیں وہ دوسرے ذریعہ سے دشوار ہیں، کہنے لگے کہ میرے نزدیک تو وہ پانچ

بڑے سلاطین اسلام میں سے تھے جو عہد اموی سے لیکر اس وقت تک گزرے ہیں۔ وہ ایسے عالی دماغ تھے کہ یورپین حکومتوں سے کھیلتے تھے، بڑی دینی حمیت رکھتے تھے اور اگر یورپ میں بھی کوئی چیز اسلام یا پیغمبر اسلام کے لئے اہانت آمیز پیش آتی تو وہ اپنی ناراضگی کا اظہار اور احتجاج کرتے، ایک مرتبہ والٹیر کا ایک ڈرامہ اسٹیج ہونے والا تھا جس میں آنحضرت صلعم کو اس طرح پیش کیا گیا تھا جو توہین آمیز تھا، سلطان کو معلوم ہوا تو اپنے سفیر متعینہ فرانس کو لکھا کہ میری طرف سے سخت احتجاج کرو، اور اگر حکومت اس کو بند کرنے کا فیصلہ نہ کرے تو فوراً پیرس چھوڑ دو، حکومت نے اس کھیل کو باوجود اسکے کہ اس کا کافی اشتہار دیا جا چکا تھا روک دیا، اسی طرح ایک زمانہ میں انگریز ہندستان پر بڑے مظالم کر رہے تھے سلطان نے مسلمانوں پر مظالم کے خلاف بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے اعتراض و احتجاج کیا۔ انگریزوں نے اپنے سفیر کے ذریعہ سلطان کو اطمینان دلایا، سلطان کے زمانہ میں یہودیوں نے اسکی خواہش کی تھی کہ ان کو فلسطین میں اپنا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دی جائے، وہ اسکے معاوضہ میں سلطنت ترکیہ کا سارا قرضہ ادا کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ سلطان نے صاف انکار کر دیا اور احکام جاری کر دئیے کہ کسی بیرونی یہودی کو فلسطین میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ دانشمند صاحب نے کہا کہ جس شخص کے یہ جذبات و خدمات ہوں کیا وہ اس کا مستحق نہیں کہ ہندوستانی مسلمان اس سے محبت کریں۔؟

مدحت پاشا دانشمند صاحب کی نظر میں

میں نے کہا، سلطان نے مدحت پاشا کے ساتھ جو معاملہ کیا اور جس طرح ان کو محبوس اور جلا وطن کیا اور بالآخر طائف میں بڑی مشتبہ حالت میں انکی موت واقع ہوئی یہ ایک مؤرخ کو بہت کھٹکتا ہے، اور یہ واقعہ سلطان کے دامن پر ایک بڑا دھبہ ہے، ہم نے جتنا مطالعہ کیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مدحت پاشا اعلیٰ درجہ کے منتظم، مصلح اور ترکی معماروں میں سے تھے ایسے خیر خواہ و لائق آدمی کو ختم کر دینا کوئی اچھا فعل نہیں، دانشمند صاحب نے کہا کہ مؤرخین کا حال تو یہ ہے کہ فرشتہ کو شیطان اور شیطان کو فرشتہ ثابت کر دیتے ہیں اصل حقائق و واقعات کا پتہ چلانا بڑا مشکل کام ہے، میں نے تاریخ عثمانی کی چوتھی جلد میں بڑی تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور مختلف دستاویزوں اور تاریخی تحریروں سے کام لیا ہے، میرے خیال میں مدحت پاشا ترکی کے لئے بڑے خطرناک شخص تھے وہ کسی صوبہ کے حاکم و ناظم کی حیثیت سے تو بہت کامیاب تھے مگر صدر اعظم کی حیثیت سے ناکام و خطرناک ان کی حیثیت اور کام سمجھنے کے لئے ذرا تفصیل سے اس عہد کے سیاسی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے خلاصہ یہ ہے کہ عالی پاشا صدر اعظم کے بعد صدارت عظمیٰ کے دو امیدوار اور حریف تھے، ایک محمود ندیم پاشا اور ایک مدحت پاشا، محمود ندیم پاشا روس کے مؤید و حامی تھے اور چونکہ روس میں اس وقت شخصی سلطنت تھی اس لئے شخصی سلطنت اور ڈکٹیٹر شپ کے حامی تھے، مدحت پاشا نے انگلستان وغیرہ کا سفر کیا تھا وہ پارلیمانی و جمہوری طرز

حکومت کے حامی تھے، انھوں نے پارلیمانی ودستوری حکومت کو قائم کرنے کے لئے تمام وسائل اختیار کئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ انگریزی بیڑے کو درہ دانیال میں لے آئے اور انگریزوں سے اس کی درخواست بھی کی کہ وہ ترکی میں پارلیمانی حکومت کو باقی رکھنے کی ذمہ داری لیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ ترکی حکومت برطانیہ کے بالکل زیراثر وزیرانتظام ہوجاتی، میرے پاس اس کا بھی ثبوت موجود ہے کہ وہ عرب ممالک کو آزاد کر کے خود ان کا حاکم بننا چاہتے تھے، انکی یہ بھی تجویز تھی کہ ترکی کے قومی نشان جھنڈے میں ہلال کے ساتھ صلیب بھی ہو، میں نے انکی خود قلمی یادداشت میں پڑھا ہے کہ وہ اس کو مناسب سمجھتے تھے اس لئے کہ ترکی میں ایک بڑی تعداد عیسائیوں کی بھی ہے اس لئے جھنڈے میں انکی نمائندگی بھی ہونی چاہئے۔

سلطان عبدالحمید خاں کی یادگاریں

دانشمند صاحب کو سلطان عبدالحمید خاں سے اتنا شغف ہے کہ انھوں نے انکی مختلف نشانیاں اور یادگاریں جمع کی ہیں اور اس کا ان کے پاس اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ سلطان کی یادگاریں دیکھنا چاہتے ہیں ہم نے پسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ اپنے خانگی عجائب خانہ یا دارالآثار میں لے گئے، وہاں دو تین ترکی ٹوپیاں تھیں جو سلطان کے زیراستعمال رہتی تھیں اس کے ساتھ سلطان کی صاحبزادی عائشہ کی تصدیق موجود تھی کہ یہ سلطان کی ٹوپیاں ہیں اور میں دانشمند صاحب کو ہدیہ کر رہی ہوں۔ اسی طرح بعض ملبوسات وخطوط جن پر سلطان کا مونوگرام تھا۔ سب سے عجیب اور پراثر چیز ایک کاغذ ہے جس پر سلطان

نے اپنی جلاوطنی اور معزولی کے زمانہ میں اپنے قلم سے ایک رباعی لکھی تھی جو ان کی اس وقت کی حالت وکیفیت کی عکاس ہے۔

وہ رباعی یہ ہے:-

اللہ ترا عزیز می دانم وبس ۔۔۔ باعزت آنکہ نیست مانند تو کس
اللہ درین واقعہ وستم گیری ۔۔۔ اللہ ہمیں زماں بفریادم رس

رباعی کے نیچے سلطان کے قلم سے عبدالحمید لکھا ہوا تھا اور نیچے انکی صاحبزادی عائشہ کی دستی تحریر تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ تحریر میرے والد مرحوم سلطان عبدالحمید خاں کے قلم کی ہے، اور میں اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

سلاطین آل عثمان کی یادگاریں

سلطان عبدالحمید خاں کے علاوہ دانشمند صاحب کے دارالآثار میں پچھلے سلاطین آل عثمان کی اور بھی یادگاریں تھیں، مثلاً سلطان محمد رشاد کا کارڈ سلطان عبدالحمید کی دائمی جنتری جو ہرن کی کھال پر تھی اور بہت خوبصورت خوشخط۔

قازانی جمہوریہ کے سابق صدر
صدری مقصودی۔

دانشمند صاحب کے یہاں اس مجلس میں ایک اور صاحب بھی تھے جن کا نام صدری مقصودی ارسال ہے جو پہلے قازان کی جمہوریہ کے صدر تھے۔ بال شویکی انقلاب کے بعد ہجرت کر کے ترکی آگئے، بڑے فاضل شخص ہیں، استنبول یونیورسٹی میں قانون کی تاریخ کے پروفیسر رہے ہیں اور اب وظیفہ کے

ساتھ سبکدوش ہیں، یہ بڑے پرجوش آدمی ہیں، ترکی النسل ہیں، بڑے جوش واثر کے ساتھ عربوں کی شکایت کرتے رہے، کہتے تھے کہ ترکوں نے پانچ چھ سو برس تک اسلام کا جھنڈا بلند رکھا ہے اور اسلامی سطوت وشوکت کے نقیب رہے ہیں، عربوں کو ان کا ممنون ہونا چاہئے اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے، قائم بامر اللہ نے ایک مرتبہ اپنے ترک سرداروں سے کہا تھا کہ اب تک ہم نے اسلام کی خدمت کی اب یہ خدمت تمھاری طرف منتقل ہو رہی ہے چنانچہ ترک سلاطین نے آخر وقت تک اس وصیت کو یاد رکھا اور اس امانت کی حفاظت کی، عربوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ترکی کی سلطنت نہ ہو تو سوریہ وعراق سب خطرہ میں ہے۔

نورالدین طوبجو اور ہمارے رفیق اسماعیل

ہم نے مغرب کی نماز دانشمند صاحب کے مکان ہی پر پڑھی پھر رخصت ہوئے دانشمند صاحب نے بڑی گرمجوشی اور محبت کے ساتھ رخصت کیا۔ جس سڑک پر ان کا مکان ہے وہ استنبول کی بڑی شاندار سڑک اور گویا سول لائن یا مال روڈ ہے ان کے مکان کے سامنے ہی ہلٹن ہوٹل ہے جو شاید مشرق کا سب سے بڑا ہوٹل ہے، وہاں سے ہم میدان تقسیم میں آئے جہاں اتاترک کا مجسمہ نصب تھا۔ پھر ایک صاحب سے ملے جن کا نام نورالدین طوبجو ہے۔ یہ استنبول یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاد تھے۔ اب حیدر پاشا کے ایک کالج میں پڑھاتے ہیں، اچھے مسلمان آدمی ہیں، کچھ ان کے پاس بیٹھ کر اور عشاء کی نماز ان کے ساتھ پڑھ کر اپنی قیام گاہ واپس ہوئے

ان تمام ملاقاتوں میں اسماعیل ساتھ تھے جو میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم ہیں اور بڑے سنجیدہ اور مذہبی نوجوان ہیں۔ یہ ملاقاتیں اکثر ان ہی کے ذریعہ طے ہوتی تھیں۔

دنیا کا اہم ترین قصر دولمہ باغچہ

سہ شنبہ ۹ر ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹ر جون ۱۹۵۶ء

آج کے دن کا پروگرام قصر دولمہ باغچہ کی سیر سے شروع ہوا، ہمارے عزیز دوست اور پروگرام کے مرتب وناظم زین العابدین صاحب کا اصرار تھا کہ یہ قصر ضرور دیکھا جائے، یہ دنیا کا اہم ترین قصر سلطانی ہے اور اپنی عظمت وزینت میں ورسائے کے محل کی ٹکر کا ہے، قصر میں داخلہ کی عام اجازت نہیں ہے، انھوں نے سفیر شام کے ذریعہ اجازت حاصل کر لی تھی، یہ آبنائے باسفورس کے بالکل کنارے ساحل سمندر پر واقع ہے سلطان عبد العزیز سے لیکر سلطان عبد المجید تک یہ قسطنطنیہ کا شاہی محل اور گویا ترکی کا گورنمنٹ ہاؤس رہا ہے۔ سرکاری تقریبات سفرا کی ملاقاتیں اور عید وغیرہ کے جشن یہیں ہوتے تھے ہم قصر کے عملہ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں کے قواعد میں یہ ہے کہ ایک ملازم آگے ہو اور ایک پیچھے شاہی ایوانوں، نگار خانوں، ملاقات کے کمروں میں سے ہم گزرتے ہوئے جا رہے تھے اور اس کی زیب وزینت اور عمارت کی وسعت وعظمت کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے رہبر کا بیان ہے کہ یہ سات برس میں بن کر تیار ہوا اور سات برس اس کی آرائش وتکمیل میں صرف ہوئے ہمارے خیال میں سات برس بھی اس عظیم قصر کی تعمیر کے لئے کم ہیں، جا بجا تصویریں

آویزاں ہیں جن میں قدیم تاریخی مناظر و واقعات اور بالخصوص ترکی افواج کو جنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، محمد فاتح کے داخلۂ قسطنطنیہ کی متعدد تصویریں ہیں، بہت سے شاہان یورپ کی تصویریں ہیں جو انھوں نے سلاطین ترکی بالخصوص سلطان عبدالحمید خاں کو ہدیہ کیں نپولین بونا پارٹ کی ہدیہ کی ہوئی ایک میز ہے جس پر اس کی اور اس کی بیوی اور چند عورتوں کی تصویریں ہیں، شاید ہی کوئی بڑا ملک ایسا ہو جہاں کا کوئی تحفہ یہاں موجود نہ ہو جو وہاں کے سلاطین نے نہ بھیجا ہو، ہندستان کے بھی تحفے ہیں ایک فانوس چار ٹن وزن کا آویزاں ہے جس میں ساڑھے تین سو چراغ ہیں اور یہ ملکہ وکٹوریہ کا بھیجا ہوا تحفہ ہے، سونے چاندی کا استعمال حسب معمول بڑی فراخ حوصلگی سے کیا گیا ہے، رہبر کا بیان ہے کہ قصر میں مجموعی طور پر چودہ ٹن سونا استعمال ہوا ہے۔

وہ کمرہ جسمیں اتاترک کا انتقال ہوا

ایوانوں اور نشست گاہوں اور حماموں سے گزرتے ہوئے ہم ایک کمرے میں پہنچے جو سمندر کے رخ کی طرف ہے، اپنی عظمت و زینت کے لحاظ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں ہے، یہ وہ کمرہ ہے جس میں کمال اتاترک کے آخری ایام اور آخری ساعت گزری، اس کمرے کے سامان کو اسی طرح باقی رکھا گیا ہے جس طرح وہ اسکی علالت اور انتقال کے وقت تھا، جس تخت پر وہ سوتا تھا وہ اسی طرح رکھا ہوا ہے اس کے پاس ایک کوچ ہے جس پر اس کا انتقال ہوا۔ اس کوچ پر اتاترک کی ایک بڑی سی تصویر رکھ دی گئی ہے۔ گلاس اور پیالیاں اسی طرح رکھی ہوئی ہیں۔

۹ ½ بجے دن کو اس کا انتقال ہوا۔ گھڑی اسی طرح روک دی گئی۔ اتفاق کہ ہم اسی وقت داخل ہوئے۔ گھڑی میں اب بھی ۹ ½ بج رہے تھے، پاس ایک بڑا سا کمرہ ہے جہاں اتاترک بیٹھ کر کام کرتا تھا، کرسیاں اور میز اسی قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں گویا ابھی اٹھ کر گیا ہے، اسکے پاس ایک بڑا ایوان ہے جہاں صندوق میں اس کا جنازہ رکھا گیا تھا اور قوم کو اجازت تھی کہ اس کا آخری دیدار کرے، کیا عبرت کا مقام ہے سلطان عبدالحمید اور سلطان عبدالعزیز بھی اسی قصر میں رہ کر بالآخر اپنے آخری ٹھکانے پہنچے۔ اتاترک جو ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا ترقی و عروج کے اس نقطہ پر پہنچا کہ سلاطین آل عثمان کی عظمت و شوکت کا مالک و وارث ہوا، لیکن انجام کار اسی جگہ پہنچا جہاں وہ سب پہنچ چکے تھے۔

منھا خلقنا کم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی سیر میں اس قصر کی عظمت و زینت سے ہمارا دل و دماغ ایسا تھک گیا کہ جب باہر نکلے تو ایک سکون و فرحت سی محسوس ہوئی، وہ بھی کیسے لوگ تھے جو اس غیر طبعی اور مصنوعی ماحول میں نہیں تھکتے تھے۔

ترکی کا مشہور پہلوان

دروازے پر ایک فوجی نے جو اپنے قد و قامت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھا بڑی محبت و گرمجوشی سے استقبال کیا، معلوم ہوا کہ یہ ترکی کا مشہور پہلوان ہے جس نے چند سال پہلے جرمنی میں پہلوانی میں چیمپین شپ حاصل کی تھی اور تمام پہلوانوں کو چت کر دیا تھا اس نے کہا کہ میں پانچ وقت کی نماز کا پابند ہوں

اور جب میری کشتی ہونے والی تھی تو میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی تھی کہ اللہ مجھے فتحیاب کرے۔

استنبول یونیورسٹی میں ڈاکٹر علی فواد باشگیل سے ملاقات

۱۱ بجے یونیورسٹی میں ڈاکٹر علی فواد باشگیل پروفیسر تشکیلات اساسیہ حقوق (قانون) سے ملاقات طے تھی یہ یونیورسٹی میں اسلامی افکار ونظریات رکھنے والے مسلمان اساتذہ میں سے ہیں، دولمہ باغچہ سے ہم میدان بایزید آئے جہاں یونیورسٹی کی مرکزی عمارت واقع ہے، ہم ایک شاندار دروازے سے داخل ہوئے جس پر وسط میں عربی میں "ادارۂ عسکریہ" لکھا ہوا ہے۔ اس کے داہنے جانب انا فتحنا لك فتحا مبينا اور بائیں جانب وينصرك الله نصرا عزيزا۔ روشن عربی خط میں کندہ ہے، یہ گویا ترکی کی وزارت حربیہ کا صدر دفتر تھا، یہیں غالباً انور پاشا مرحوم اپنی وزارت حربیہ کے زمانہ میں کام کرتے ہوں گے، اب اس دروازے کی پیشانی پر سب سے اوپر رومن میں استنبول یونیورسٹی لکھا ہوا ہے ہم ایک وسیع چمن میں سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے دروازے پر پہونچے جس کے سامنے کمال اتاترک کا مجسمہ نصب ہے اسکے دائیں بائیں ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت کے مجسمے ہیں۔ گویا قوم کے یہ دو طبقے ہیں جن کو کمال تعلیم دینا چاہتا ہے دروازہ سے داخل ہوئے تو ایک شاندار قدیم عمارت ملی جو پہلے وزارت حربیہ و دفاع کے دفاتر اور شعبوں کا مرکز تھی اب اس میں یونیورسٹی

کا لا کالج اور بعض دوسرے شعبے ہیں، ہم زینہ سے چڑھ کر اسٹاف روم میں پہونچے
جہاں کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر علی فواد باشگیل تشریف لائے، یہ معمولی سی عربی سمجھ لیتے
ہیں مگر بول نہیں سکتے، زین العابدین صاحب حسب معمول ہمارے ترجمان تھے، "ڈاکٹر
علی فواد لادینیت کے مخالف اور دین کی طرف بازگشت کے داعی ہیں، انھوں نے
اپنی ایک کتاب ہدیہ کی جو ترکی میں ہے اور اس کا عنوان ہے "دین ولادینیت"۔

دین ولادینیت پر گفتگو

ان سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی، ہم نے عرض کیا کہ جن اسلامی ملکوں کا مغربی
تہذیب سے سامنا ہوا ان میں قدرتی طور پر ترکی سب سے پیش پیش تھا۔ اس وقت اس
لادینیت سے بچنے کا راستہ صرف یہ تھا کہ دین کے اصول وحقائق اور ایمان اور عصر
حاضر کے جدید وسائل وتنظیمات کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مرحلہ پر نہ تو جدید
وسائل وتنظیمات کا انکار اور ان سے گریز ممکن تھا نہ دین کے اصول وحقائق اور
اس روحانی طاقت اور یقین سے محرومی درست تھی جو مذہب اور پیغمبروں کی پیروی
عطا کرتی ہے، افسوس ہے کہ کوئی اسلامی ملک اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکا،
اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مغرب کی لادینیت کا شکار ہو گیا اپنی اس عظیم دولت اور
شخصیت سے بھی محروم ہو گیا جو اس کو حاصل تھی اور عہد جدید میں کوئی ممتاز مقام
بھی نہ حاصل کر سکا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سے کلی اتفاق ظاہر کیا اور فرمایا کہ دین و
عقل میں چونکہ کوئی تضاد نہیں اس لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ
اس موقع پر اکثر ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ اہل دین کی طرف سے کچھ روایات و

وعادات پر اصرار کیا جاتا ہے، یہ روایات وعادات بعض اوقات جدید تغیرات اور ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ تجدد کے داعی اس اصرار کی وجہ سے ان کو دین سمجھ لیتے ہیں اور نفس دین کا انکار کر دیتے ہیں اور یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ دین زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا اس موقع پر اگر ترکی میں ایسے عالی دماغ اور فقیہ علماء ہوتے جو دین کے جوہر پر اصرار کرتے اور مباحات میں اتنی گنجائش دیتے جتنی گنجائش شریعت اسلامی عطا کرتی ہے تو شاید یہ وقت نہ آتا۔ ڈاکٹر صاحب اس بات کے بڑے خواہشمند ہیں کہ علماء اجتماعی طور پر بعض جدید مسائل پر اپنی متفقہ رائے دیتے وہ اسکے ساتھ اسکے بھی بڑے مخالف ہیں کہ ہر شخص کو اجتہاد کا حق دیدیا جائے وہ مذہب حنفی کی عقلیت کے بڑے قائل ہیں۔

صوفی منش بزرگ یوسف ضیا سے ملاقات

ڈاکٹر صاحب سے رخصت ہو کر ہم جامع بایزید آئے یہاں ہم نے ظہر کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہم توپ کاپے گئے تاکہ اس عظیم الشان عجائب خانہ کے جو شعبے باقی رہ گئے ہیں ان کو دیکھیں مگر معلوم ہوا کہ منگل کو یہاں تعطیل رہتی ہے وہاں سے ہم یوسف ضیا صاحب سے ملنے گئے یہ ایک صوفی منش فقیر دوست شخص ہیں، حلب سے شیخ عبداللہ زین العابدین صاحب نے ان کے نام خط دیا تھا اور ہم پہلے روز پریشانی کی حالت میں ان سے ملے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ پھر ملاقات کریں گے، یہ مل کر بہت خوش ہوئے اپنی کوتاہی پر شرمندگی کا اظہار کرتے تھے، کہنے لگے، اگر کل ٹھیرنا ہو تو

کچھ ایسے اشخاص سے ملاؤں جو فقراء و صلحا میں سے ہیں، ہم نے افسوس کا اظہار کیا کہ کل ہم کو جانا ضروری ہے ورنہ ضرور کچھ وقت ان کے ساتھ صرف کرتے باصرار پتہ دریافت کیا اور آنے کا وعدہ کیا بار بار بڑے خلوص سے کہتے رہے کچھ خدمت کیجئے، ہمیں بڑی مسرت ہوگی۔ ہم نے ان کی عنایت کا شکریہ ادا کیا واقعی نہایت متواضع و مخلص شخص ہیں، دین کے حلات آشنا ہیں اور صلحاء و فقرا کے صحبت یافتہ اور سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ اب یہ طبقہ اس ملک میں اس طرح رہتا ہے جیسے کسی معزول و معتوب بادشاہ کے حاشیہ نشیں اور منتسبین و مقربین جو ہمیشہ اپنے کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں اور شک کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مغرب کے وقت وہ ہماری قیام گاہ پر آئے بڑی محبت اور نیازمندی کے ساتھ باتیں کرتے رہے، کہنے لگے اس نیت سے آیا ہوں کہ نماز ساتھ پڑھوں گا۔ ان کی تواضع اور خلوص کو دیکھ کر دل خوش ہوا اور کچھ انبساط پیدا ہوا۔

عرب طلبا کا آخری اجتماع اور ملاقات

مغرب کی نماز کے بعد عرب طلبائے سے آخری ملاقات اور خطاب کرنا تھا یہ ملاقات عبدالفتاح صاحب کے کمرہ میں تاشکساب میں طے ہوئی تھی، پہنچے تو خاصی تعداد تھی اکثر وہ طلبہ تھے جو پہلے اجتماع کے موقع پر موجود نہ تھے ان میں لیبیا کے طلبہ کی تعداد نمایاں تھی۔

انقرہ کے سفر کی تیاری

زین العابدین صاحب نے سفر کے انتظامات کر رکھے تھے، انھوں نے پہلے کوشش کی تھی کہ صبح کی ٹرین سے سفر ہو مگر معلوم ہوا کہ میل پر تمام جگہیں پُر ہو چکی ہیں، انقرہ چونکہ دار الحکومت ہے اور حکومت کے بڑے دفاتر اور پارلیمنٹ وہیں ہیں اس لئے لوگ پہلے سے جگہیں محفوظ کر لیتے ہیں، طیارہ پر بھی کوئی جگہ نہ مل سکی مجبوراً بس کے ٹکٹ خرید لئے گئے۔ استنبول سے انقرہ ۱۰-۱۱ گھنٹے کا سفر ہے، موٹر کا اتنا طویل سفر بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے، مگر مجبوری ہے ایک تسلی بخش بات یہ ہے کہ جس طرح ریل کے سفر سے اس ملک کو دیکھنے کا موقع ملا اسی طرح موٹر سے استنبول و انقرہ کے درمیان کا حصہ قریب سے اور اطمینان سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

زین العابدین صاحب نے ہماری راحت کے لئے یہاں تک انتظام کیا ہے کہ ایک رفیق کو جو ترکی و عربی سے بالکل اہل زبان کی طرح واقف ہیں ساتھ کر دیا ہے یہ انقرہ و قونیہ تک ساتھ رہیں گے اگر انقرہ سے اطنہ تک ہوائی جہاز کا سفر ہو گا تو اطنہ پر دوسرے رفیق ملیں گے جو حدود تک پہنچا دیں گے۔ زین العابدین صاحب نے جا بجا ہماری آمد کی اطلاع اپنے دوستوں اور مقامی لوگوں کو کر دی ہے حلب بھی وہ اطلاع کر دیں گے۔

زین العابدین اور دوسرے عرب طلبا کا ایثار و مہمان نوازی

واقعہ یہ ہے کہ استنبول کے مقیم عرب طلبا اور بالخصوص زین العابدین خیر اللہ

سے جو راحت و سہولت حاصل ہوئی وہ شکریہ سے بالاتر ہے ان عزیزوں نے ہماری راحت و سہولت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ہم کو ایک لمحہ بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ ہم مسافرت میں ہیں باوجود طالب علمانہ زندگی کے اس فراخ حوصلگی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا جو موجب حیرت ہے۔ مستعدی وسلیقہ مندی سرگرمی و مصلحت شناسی کا جیسا اچھا امتزاج ان نوجوانوں بالخصوص زین العابدین صاحب میں دیکھا اس کی مثال دینی جماعتوں اور تحریکوں کے کارکنوں میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، زین العابدین صاحب میں قیادت کا اور ان کے رفقاء میں اطاعت و نظم کا بہت اچھا جوہر ہے، اللہ ان نوجوانوں کی ان صلاحیتوں کو پروان چڑھائے، بڑی مبارک و قابل رشک تحریک ہے وہ جو ایسے کارکن رکھتی ہو اور بڑی عظیم و مرد آفریں شخصیت تھی شیخ حسن البنا مرحوم کی جن کی دعوت و تربیت نے ایسے نوجوان پیدا کر دیئے۔ زین العابدین صاحب کے بعد عبدالفتاح، طٰہٰ، ادریس اور شبیر حنوں بہت زیادہ مانوس رہے، آخر ذکر کرنے والوں نوجوان موصل کے رہنے والے ہیں اور ملاقات کے بعد شب و روز ساتھ رہے، انھیں کے مکان پر ہمارا قیام رہا۔

ہمارے رفیق سفر

۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۰ر جون ۱۹۵۶ء

صبح آٹھ بجے زین العابدین صاحب قیام گاہ پر آگئے، سامان درست کیا ۹ بجے ہم موٹر گیرج پر پہونچ گئے رفقاء ساتھ ہیں، زین العابدین صاحب نے ہمارے

ساتھ جن رفیق کو تجویز کیا ہے ان کا نام مامون ہے کرکوک کے رہنے والے ہیں، اور انجینیرنگ کالج کے دوسرے سال کے طالب علم ہیں، ترکی و عربی زبان مادری زبان کی طرح ہے۔

استنبول پر ایک نظر

استنبول سے رخصت ہونے سے پہلے اس عظیم الشان شہر پر ایک نظر ڈال لیجئے، یہ عظیم الشان شہر سلطنت عثمانیہ کا تقریباً پانچ سو برس دارالسلطنت رہا ہے۔ اس وقت اگرچہ اس کے سر سے عظمت کا یہ تاج اتار دیا گیا ہے مگر اب بھی مملکت ترکیہ کا سب سے بڑا شہر اور مشرق و مغرب کا سنگم ہے، زمین کے نیچے تو جو کچھ دفن ہوگا اس کا حال تو تاریخ سے پوچھئے جو بآواز بلند اعلان کرتی ہے کہ:۔

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

لیکن بالائے زمین جو کچھ ہے وہ بھی اس شہر کی عظمت کے لئے کافی ہے موجودہ حالت یہ ہے کہ ۱۵ لاکھ کی آبادی ہے، شہر بہت بڑے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے، ایک طرف بحیرۂ مرمرا اور آبنائے باسفورس اس کو ایشیا و یورپ کے دو ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے دوسری طرف خلیج قرن ذہبی (GOLDEN HORN) اس کو قدیم بازنطینی دارالسلطنت اور اس حصہ میں منقسم کرتی ہے جو غلطہ کہلاتا ہے، آبادی کا ایک بڑا حصہ یہودی اور عیسائی ہے اور وہ حسب توقع تمول تجارت اور اثر میں بہت ممتاز ہے، اس کا اثر شہر کی زندگی اور اخلاق پر پڑنا لازمی تھا، شہر میں جو عریانی اور آزادی نظر آتی ہے وہ بہت کچھ نتیجہ اس عنصر کا ہے،

شہر میں قدیم وجدید مشرق ومغرب کی آمیزش صاف نظر آتی ہے، بعض بعض حصے یورپ کے بڑے سے بڑے شہر کی ٹکر کے ہیں، بعض حصے مشرق کے بڑے اور پُرانے شہروں کی یاد تازہ کرتے ہیں، شہر کے اندر کے مواصلات وذرائع حمل ونقل بڑے منظم ہیں، ٹرام اور بس اور ٹیکسیوں کی قدم قدم پر آسانیاں مہیا ہیں، شہر ترکی کا سب سے بڑا تجارتی اور تعلیمی مرکز ہے، بینکوں کی جو کثرت یہاں دیکھی وہ ابھی تک مشرق کے کسی شہر میں نہیں دیکھی تھی، شاید یہ یہودیوں کی کثرت اور اثر کا نتیجہ ہے، روزنامہ اخبارات متعدد نکلتے ہیں جن میں سے جمہوریت حریت، ینی صباح یعنی صبح جدید، یوک یعنی مشرق عظیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

ترکوں کی معاشرت میں صفائی اور سادگی نمایاں ہے، یہاں کی معاشرت میں وہ تجمل وشان امارت نہیں دیکھی جو شام میں خاص طور پر ہم ہندستانیوں کو محسوس ہوتی ہے، ابھی تک اس قوم میں سپاہیانہ اوصاف اور سادگی پائی جاتی ہے، ورزش اور جسمانی تربیت کی طرف رجحان بہت ہے، کھانے کے اقسام اور ذوق میں شام وترکی میں بہت خفیف سا فرق ہوگا، ترکوں نے چار سو برس شام وعراق وحجاز پر حکومت کی ہے اس لئے ان کے تمدن وذوق کا اثر ابھی تک ان ملکوں پر باقی ہے۔

موجودہ حکومت اور دینی رجحان

ترکی کا دیندار طبقہ موجودہ وزیر اعظم عدنان مندریس کی تعریف کرتا ہے خلوص یا سیاسی مصلحت سے موجودہ حکومت نے ترک قوم کو کچھ مذہبی آزادی دے دی ہے اور وہ بندش ڈھیلی کر دی ہے جو کمالی انقلاب کے بعد ملک پر قائم ہو گئی تھی، اس وقت جو پارٹی برسر حکومت ہے اس نے محسوس کیا کہ ترکی قوم فطرۃً و مزاجاً مذہبی ہے، موجودہ حالت اس قوم کے لئے غیر طبعی ہے، قوم اب بھی اس طبقہ اور پارٹی کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے جو اس کو مذہبی آزادی اور شعائرِ اسلامی کی اجازت دے، چنانچہ پارٹی نے اسی کو اپنی انتخابی جنگ کا نعرہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پارٹی کے پانچ سو ممبر نئے انتخاب میں کامیاب ہوئے اور کمال کی پارٹی کے جو انقلاب کے بعد سے برابر حکومت کر رہی تھی اور جسکی قیادت عصمت انونو کے ہاتھ میں ہے صرف ۴۱ ممبر کامیاب ہو سکے، اس پارٹی نے اگرچہ سیاسی پارٹیوں کے دستور کے مطابق اپنے وعدوں کا بہت تھوڑا حصہ پورا کیا مگر وہ بھی اس کچلی ہوئی مذہبی قوم کے لئے نعمت عظمٰی تھا، نئی حکومت نے اذان کی عربی میں اجازت دی، لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت برسوں کے بعد پہلی بار عربی میں اذان ہوئی ہے تو ترک سن کر بیخود ہو گئے، لوگوں نے اس بیخودی و سرمستی میں سڑکوں پر سجدے کئے، ہزاروں مینڈھے اور بکرے اس خوشی میں ذبح ہو گئے، دینی تعلیم کی بھی جو اس سے پہلے قانوناً ممنوع تھی اجازت ہوئی، پرجوش دینداروں نے اس خفیف تغیر سے فائدہ اٹھانے میں ذرا

عجلت و جوش سے کام لیا، کمال اتاترک کے مجسموں کو (جس کو اہل حکومت اور ترکی کی جدید نسل ملک و قوم کا نجات دہندہ اور اپنا عظیم ترین محسن سمجھتی ہے) گرانے کی مہم شروع کر دی اور اسکی ذات پر حملے بھی کئے، حکومت کو اس جارحانہ رجحان کو روکنے کے لئے بعض حفاظتی قوانین بنانے پڑے اور بعض پر جوش مذہبی جماعتوں پر کڑی نگرانی قائم کر دی، سمجھدار لوگ اس کی توقع رکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ حالات درست ہوتے جائیں گے اور یہ مذہب دشمنی یا اسلام بیزاری باقی نہیں رہے گی۔

اس وقت کی اہم ترین ضرورت

اس وقت بڑی ضرورت اس کی ہے کہ ملک میں ایسے ہوشمند و بیدار مغز علماء اور دینی قائد ہوں جو پورے دماغی توازن اور حکمت کے ساتھ ملک میں دینی انقلاب لا سکیں اور دین کو اس طرح پیش کریں کہ وہ ایک زندہ اور فعال و متحرک چیز معلوم ہو جو پیچھے لے جانے کے بجائے ترکی کو آگے لے جا سکتی ہے اور اس کو دنیا میں دوبارہ امامت و قیادت کا مقام دلا سکتی ہے، وہ زمانۂ انقلاب کے علماء کی طرح غیر ضروری چیزوں پر جو اسلام کا نہیں بلکہ مشرقی تہذیب کا جز تھیں اصرار نہ کرے، وہ جوہر اسلام اور شعائر و احکام اسلام پر تو پوری صلابت و استقامت کا مظاہرہ کرے مگر مباحات میں وہ پوری آزادی دے جو شریعت اسلام عطا کرتی ہے اور فقہاء اسلام نے ہر دور میں دی ہے، یہ طبقہ ترکی میں پایا جاتا ہے یا نہیں، اتنے مختصر قیام میں اس کا اندازہ لگانا اور اسکے متعلق کچھ کہنا دشوار ہے۔

استنبول سے انقرہ تک

موٹر ۹½ بجے روانہ ہوئی، استنبول وانقرہ کا درمیانی فاصلہ ۴۷۵ کیلومیٹر ہے موٹر نہایت سرسبز وخوش منظر علاقہ سے گزر رہی ہے سڑک کے دونوں جانب اناطولیہ کی ترک بستیاں اور گاؤں ہیں، ان بستیوں میں سے شاید کوئی کوردہ بستی ایسی ہو جہاں مسجد نہ ہو، ورنہ ایک مینارے کی مسجدیں سارے راستہ نظر آتی رہیں جو مکانات کے جھرمٹ میں بہت ہی زیب دیتی ہیں، ایک جگہ موٹر رکی ہم نے ظہر کی نماز پڑھی اور ایک ہوٹل میں کھانے کا ارادہ کیا، ہمارے رفیق نے بتلایا کہ اس ہوٹل میں شراب موجود ہے اور اس کا استعمال ہو رہا ہے ہم نے وہاں کھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سامنے ایک غریب سا مسلمان ہوٹل تھا وہاں سے ضرورت پوری کی، ماموں نے بتلایا کہ یہ مصیبت استنبول میں قدم قدم پر ہے ہم لوگ چونکہ ہوٹلوں کو پہچانتے ہیں اس لئے ایسے ہوٹلوں کا انتخاب کرتے ہیں جو ان چیزوں سے محفوظ ہیں اور احتیاط برتتے ہیں، بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایک خالص مسلمان ملک میں یہ دقت پیش آئے، غالباً یہ یورپین وغیر مسلم آبادی کے قیام کا نتیجہ ہے جو ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں نمایاں طور پر موجود ہے۔

انقرہ میں

۱۰½ بجے ہمارا سفر تمام ہوا اور ہم انقرہ پہنچے ۱۳ گھنٹے کے اس سفر نے اگرچہ تھکا دیا مگر ترکی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، ہمارے رفیق نے ایک ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا جو نامناسب چیزوں سے محفوظ و محتاط ہے، اسکے ساتھ آرام دہ اور ارزاں بھی ہے، اس ہوٹل کا نام چیچک یالاس ہوٹل ہے یعنی پھولوں کا ہوٹل۔

محکمہ امور مذہبی کے صدر دفتر میں

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۵۶ء صبح اٹھ کر اور چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم رسالہ "اسلام" کے دفتر گئے جو حاجی بیرامؒ کی مسجد کے سامنے ہے۔ دفتر میں اس وقت کوئی نہیں ملا، وہاں سے ہم پوچھتے پوچھتے حکومت کے مرکزی محکمۂ امور مذہبی کے دفتر گئے، جہاں کے متعدد اشخاص کے پتے ہمیں لکھوائے گئے تھے۔ ہم ایک صاف ستھری خوش اسلوب و خوشنما عمارت میں داخل ہوئے ایک کمرے میں جو اس محکمہ کا ایک شعبہ تھا، ہم نے بعض حضرات کو

دریافت کیا اس اثنا میں ایک نوجوان داخل ہوئے ترکی کے مغربی لباس میں ملبوس، ان کو دیکھتے ہی بیک وقت ان کی زبان سے نکلا، استاذ ابوالحسن اور ہماری زبان سے نکلا استاذ مصطفیٰ رضا، یہ کہہ کر ہم دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

مصطفیٰ رضا

آج سے ۹ سال پہلے ۵۱ء کی بات ہے کہ مدینہ منورہ کے تین مہینے کے قیام میں دو ترک نوجوان بہت مانوس ہو گئے تھے، ان میں سے ایک کا نام علی علوی تھا دوسرے کا مصطفیٰ رضا، یہ تعلق و تعارف شیخ عثمان آفندی کے مکان سے شروع ہوا تھا جو قونیہ کے رہنے والے ایک بڑے ذہین و عاقل ترک عالم ہیں وہاں بارہا ہم نے عربی میں ترکوں سے خطاب کیا اور شیخ عثمان یا مصطفیٰ رضا نے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا، یہ دونوں نوجوان ہماری قیام گاہ پر بھی برابر آتے رہتے تھے اور ہمارے مضامین و مسودات بھی پڑھتے تھے، مصطفیٰ رضا نے کچھ عرصہ کے بعد ترکی کا ارادہ ظاہر کیا اور اس سلسلہ میں مشورہ کیا، ان کی ذہانت اور صلاحیتیں دیکھ کر ہم نے بھی ان کے اس عزم کی تائید کی اور توقع ظاہر کی کہ وہ انشاء اللہ ترکی میں بہت مفید کام انجام دیں گے، دمشق و استنبول سے ہم کو انقرہ کے لئے جو پتے اور نام دئے گئے تھے ان میں ایک نام اور پتہ مصطفیٰ رنیون کا بھی تھا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مصطفیٰ رنیون وہی مصطفیٰ رضا ہیں جو مدینہ منورہ میں ساتھ تھے، اب ہر اسلامی نام کے بعد ترکی کا ضمیمہ لگانا کچھ ضروری سا ہے۔ یہ اکثر

خاندانی لقب ہوتا ہے ریئون بھی یہی چیز ہے وہ ملے تو گویا انقرہ کی کنجی ہاتھ آگئی۔ وہ یہاں امور مذہبی میں ملازم ہیں اور اہم حیثیت رکھتے ہیں، دونوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور نعمت غیر مترقبہ ملی، حاضرین سے انھوں نے تعارف کرایا اور اس پچھلے دور کا حوالہ دیا جو مدینہ منورہ میں یکجا گزرا تھا۔

محکمۂ امور مذہبی کا اسٹاف

انھوں نے کہا کہ اب آپ یہاں کے اسٹاف سے مل لیجئے، پہلے وہ صدر امور مذہبی ایوب صبری خیر لے اوغلو آفندی کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا، وہ عنایت سے ملے، کہنے لگے کہ ہندستانی مسلمان تو یہی سمجھتے ہوں گے کہ ہم سب بے دین و عیسائی ہو گئے، ہم نے عرض کیا کہ کچھ عرصہ تک مغربی حکومتوں نے یہی مشہور کیا تھا مگر اب رفتہ رفتہ صحیح حالات مسلمانوں کو معلوم ہونے لگے ہیں اور وہ حقیقت کو سمجھتے ہیں، کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد مصطفےٰ ہم کو هئیة دینیة میں لے گئے جو گویا مجلس علماء یا مشاورتی بورڈ ہے وہاں متعدد علماء موجود تھے، ان سے ملاقات ہوئی انہیں سے ایک کا نام شہید اوال (Shehid Oval) ہے، انھوں نے مولانا حسین احمد صاحب مدظلہٗ کی خیریت دریافت کی، ہم نے عرض کیا کہ آپ کہاں سے جانتے ہیں، کہنے لگے وہ ہمارے استاد ہیں ہم نے مدینہ منورہ میں ان سے سند لی ہے، اپنے تعلق و عقیدت کا اظہار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اب بھی جب کبھی وہ یاد آجاتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، ہماری طرف سے دست بوسی کرنا اور سلام پہنچانا

اور یہ کہ شہید آپ کو یاد کرتا ہے اور دعا کی درخواست کرتا ہے۔

دارالترجمہ کی کارگذاری

ہیئۃ علماء سے نکل کر ہم مفتی انقرہ کے پاس آئے، وہاں اس محکمہ کے دارالترجمہ کے بعض کارکن آگئے، ان سے اس شعبہ کی کارگزاری کی تفصیل معلوم ہوئی، اس سے بڑی مسرت اور تسکین ہوئی، ترکی کے اس سفر میں پہلی مرتبہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس ملک میں کچھ سنجیدہ اور ٹھوس دینی کام ہو رہا ہے ان نوجوانوں نے جو اس شعبہ کے کارپرداز ہیں اس شعبہ کی مطبوعات دکھائیں ان میں سے کچھ مختصر رسالے تھے کچھ کتابیں، معلوم ہوا کہ ان کتابوں اور رسالوں کی بڑے پیمانہ پر اشاعت ہوتی ہے، ایک رسالہ جس کا نام ہے "وہ دینی معلومات جو جیب میں آسکتے ہیں" کے ۵۰ ہزار نسخے ایک سال میں تقسیم ہو چکے ہیں، جرمنی سے اس کتاب کے ۵ ہزار نسخوں کی فرمائش ہے کوریا سے بھی اسلامی رسائل و مطبوعات کی فرمائش ہوئی ہے، ہم نے کہا کہ کوریا میں اسکی طرف کیسے توجہ ہوئی کہنے لگے کہ ترکی کی جو فوج کوریا گئی تھی اسکے ساتھ ایک مفتی بھی تھے، انھوں نے وہاں ایک انجمن قائم کی، اسکی وجہ سے وہاں لوگوں کی اس طرف توجہ ہوئی۔ "اسلام دینی" یا "دین اسلام" کے ۴۰ ہزار نسخے لوگوں تک پہنچ چکے ہیں، اس شعبہ نے امام نووی کی ریاض الصالحین کا ترجمہ بھی تین حصوں میں کیا ہے، خلفاء راشدین پر بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کی ہیں جن کا ایک ایک نسخہ ہدیہ دیا۔ خطبات مدارس کا ترجمہ عرصہ ہوا عربی میں ہمارے فاضل دوست مولانا محمد ناظم ندوی

نے کیا تھا جو چند سال ہوئے مصر میں الرسالۃ المحمدیہ کے نام سے شائع ہوا ہے اس شعبہ نے اس کا ترکی ترجمہ مکمل کرلیا ہے اور عنقریب شائع کرنے والا ہے، یہ معلوم کر کے بھی خوشی ہوئی کہ سیرۃ النبی کا ترکی ترجمہ جو عصر سعادت کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوا تھا اور اب نایاب ہے شعبہ اس کو دوبارہ اہتمام سے جدید رسم الخط میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس سلسلہ میں وہ بعض چیزیں دریافت کرتے رہے، ان کی خواہش تھی کہ سیرۃ النبیؐ کا مکمل اُردو سٹ شعبہ کے پاس ہو تاکہ کم سے کم اس کی فہرست سے اس کے مضامین اور حصّوں کی تقسیم وغیرہ کا اندازہ لگاسکیں، ہم نے ان کی خواہش پر مولانا مسعود علی صاحب ندوی کی خدمت میں خط لکھا کہ اس شعبہ کی خواہش ہے کہ سیرۃ النبی کا ایک سٹ اسکے پاس محفوظ ہو، امید ہے کہ جلد دار المصنفین سے ترکی کے سفیر کے ذریعہ اسکے پاس پہونچ جائے گا۔

شعبہ کے کارکن اچھے مستعد اور فہیم لوگ ہیں، اگرچہ یہ پہلی ملاقات تھی مگر انھوں نے ازراہ عنایت اپنے علمی و اشاعتی کاموں میں بڑی فراخدلی سے مشورہ طلب کیا، وہ ایسی جدید عربی اور انگریزی کتابوں کا نام بھی معلوم کرنا چاہتے تھے جو ترکی میں ترجمہ کے لائق ہیں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے انکی اشاعت مفید ہوگی، ہم نے اپنی معلومات کے مطابق ایک فہرست انکی خدمت میں پیش کردی۔

وہاں سے فارغ ہوکر ہم اپنی قیام گاہ کی طرف آئے، راستہ میں یہ معلوم

کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ مصطفےٰ رضا یہاں بہت مفید کام انجام دے رہے ہیں وہ محکمۂ دینیات کے رکن بھی ہیں، خطباء وائمہ مساجد کے مدرسہ میں درس بھی دیتے ہیں، شہر کی مرکزی اور مشہور جامع مسجد جامع حاجی بیرم کے خطیب بھی ہیں اور ریڈیو پر تقریریں کرتے ہیں اور اس مجلس کے بھی رکن ہیں جو تقریروں پر نظر ثانی کرتی ہے، ان کے مکان پر آئے تو انھوں نے وہ عربی رسائل دکھائے جو ہم سے علیحدگی کے بعد ان کے دوست علی علوی کے ذریعہ ان کو پہونچتے رہے ہیں۔

استاد اسمٰعیل حقی

مصطفےٰ رضا نے اپنے مکان سے استاد اسمٰعیل حقی کو ٹیلیفون کیا اور ہماری آمد کی اطلاع کی، انھوں نے بعد ظہر ہوٹل میں آنے کا وعدہ کیا، ظہر کے بعد وہ تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے، یہ جامع ازہر کے فاضل اور اچھے پڑھے لکھے صاحب نظر آدمی ہیں، اصل میں بلغاریہ کے رہنے والے ترک ہیں۔ اب ہجرت کر کے ترکی آگئے ہیں، انھوں نے ڈاکٹر سالم الرشیدی کی کتاب "محمد الفاتح" کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ترکی قوم کو اب بھی محمد فاتح پر فخر ہے، چند دن پہلے فتح قسطنطنیہ کی پنج صد سالہ سالگرہ منائی گئی تھی، یہ چیز اسلامیت کے احیاء کے لئے معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

محمد فاتح کا داخلۂ قسطنطنیہ

ہم نے استاد اسمٰعیل سے کہا کہ آپ تو محمد فاتح کے حالات و تاریخ پر خصوصی

نظر رکھتے ہیں، ذرا استنبول کا نقشہ سامنے رکھ کر یہ سمجھائیے کہ محمد فاتح کا داخلہ کس طرف سے ہوا تھا، کہاں خلیج کو زنجیروں سے ناقابل عبور بنا دیا گیا تھا اور کس طرف سے محمد فاتح نے کشتیوں کو خشکی پر چلا کر سمندر میں داخل کیا؟

انھوں نے جو کچھ تفصیل بیان کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد فاتح کی آمد اورنہ (اڈریانوپل) کی طرف سے ہوئی جو پہلے سے اس کے قبضہ میں تھا اور اس وقت کے عثمانی خاندانی کا پایہ تخت تھا، محمد فاتح اپنی بری افواج کے ساتھ جو تین لاکھ کی تعداد میں تھیں، اورنہ کی طرف سے بڑھا، اب جو حصہ غلطہ کہلاتا ہے اس پر بنو رقیوں (اہل وینس) کا قبضہ تھا، قدیم قسطنطنیہ پر بیز نطینیوں کا ادھر حصار سخت تھا، محمد فاتح کا بحری بیڑہ بحر اسود کی طرف سے بحیرہ مرمرا سے آرہا تھا، خلیج القرن الذہبی کے دہانہ کو بیز نطینیوں نے اس ڈر سے لوہے کی زنجیروں سے بند کر دیا تھا کہ ان کو بحیرہ مرمرا کی طرف سے محمد فاتح کی فوجوں کے آنے کا ڈر تھا، محمد فاتح نے غلطہ پر پچاس کشتیوں کو پھسلا کر قاسم پاشا کی طرف سے خلیج القرن الذہبی میں اتار دیا، صبح بیز نطینیوں کو اچانک معلوم ہوا کہ محمد فاتح کی کشتیاں خلیج میں موجود ہیں، لیکن یہ بات قسطنطنیہ کی فتح کے لئے کافی نہ تھی محمد فاتح سخت مزاحمت کر کے تقریباً ایک ہفتہ میں اپنی فوجوں کے ذریعہ سیدنا ابو ایوب کی طرف سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ منگل کا دن تھا، پہلا جمعہ اس نے ایا صوفیہ میں پڑھا اور خود خطبہ دیا۔

محمد فاتح کی عظمت

استاد اسمٰعیل حقی سے جو تفصیلات معلوم ہوئیں ان سے محمد فاتح کی عظمت و عبقریت کا تصور اور بلند اور مستحکم ہو گیا، انھوں نے بیان کیا کہ ۱۶۸۱ء میں فرانسیسی مصنف GUILLET نے محمد فاتح پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ ہر عیسائی کو ہمیشہ یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ خدا پھر کوئی محمد فاتح نہ پیدا کرے۔ سالم رشیدی نے اس پر لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا پھر ایک محمد فاتح پیدا کر دے۔

جامع حاجی بیرم

عصر کی نماز پڑھ کر استاد اسمٰعیل کے ساتھ شہر کی طرف گئے، مختلف سڑکوں اور بازاروں سے ہوتے ہوئے جامع حاجی بیرم آئے۔ یہاں جو ترک موجود تھے وہ بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ملے۔ ان کی نگاہیں کہتی تھیں کہ جیسے تم لباس میں آزاد ہو کبھی ہم بھی تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی کھوئی ہوئی عزیز متاع ان کو نظر آ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پاتے

دفتر رسالۂ اسلام میں

مغرب کی نماز کے بعد دفتر اسلام میں چلے گئے، یہاں چند نوجوان جو غالبا رضا کارانہ اس اسلامی رسالہ کی خدمت انجام دیتے ہیں، موجود تھے۔ نہایت محبت و گرمجوشی اور تپاک سے ملے، ان کو قسطنطنیہ سے ہماری آمد کا تار ملا تھا مگر عین وقت پر پروگرام کی تبدیلی اور بس پر آنے کی وجہ سے وہ ہم سے نہ مل سکے۔

دیر تک محبت و خلوص کی باتیں کرتے رہے، کھانا بھی اپنے ساتھ ایک ہوٹل میں کھلایا پھر قیام گاہ تک پہنچا کر واپس ہوئے اور کہہ گئے کہ مصطفےٰ رضا کے ساتھ بعد عشاء پھر آئیں گے۔

جدید دینی تحریک کا نعرہ

عشاء کے بعد یہ سب احباب آئے اور دیر تک بیٹھے، ہم نے عرض کیا کہ اب آپ سب دینی کام کرنے والوں اور داعیوں کا ایک ہی نعرہ ایک ہی پیغام اور ایک ہی دعوت ہونی چاہئے اور وہ یہ کہ الی الرایة المحمدیة ایتها الامة الترکیة اے ترکو! پھر رسول اللہ کے جھنڈے کی طرف آؤ۔ ان نوجوانوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی، ان کی آنکھوں کی چمک، ان کی پیشانی کی بلندی، انکی سنجیدگی اور ان کا خلوص بتلاتا تھا کہ یہ ایک عظیم امت کے فرد ہیں اور مستقبل میں بھی یہ عظیم کام کر سکتے ہیں۔

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی

اتاترک کا مقبرہ

جمعہ ۱۲ ذی قعدہ ۷۵ھ مطابق ۲۲ جون ۵۶ء

زین العابدین صاحب کا اصرار تھا کہ انگورہ میں اتاترک کا مقبرہ ضرور دیکھا جائے، انھوں نے کہا کہ اپنی طبیعت کے خلاف بھی اس کو دیکھ لیجئے گا تاکہ اندازہ ہو کہ اس عمارت پر کتنا صرف ہوا ہے اور اس شخص سے جدید نسل کو کتنا تعلق ہے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ واقعی بڑی عظیم عمارت ہے، اصل عمارت سے پہلے ایک

وسیع چمن ہے عمارت نہایت بلند اور خالص رومی طرز تعمیر کی ہے، دیواروں پر اتاترک کی دو تقریریں کندہ ہیں جن میں اس نے ترک نوجوانوں سے خطاب کیا ہے عمارت کے کسی گوشہ اور عبارت کے کسی شوشہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی مسلمان کا مقبرہ اور یہ کسی مسلمان کی تقریر ہے۔ دیکھنے کو یہ عمارت دیکھ لی مگر طبیعت میں ایک انقباض اور بدمزگی پیدا ہوئی۔

دینیات کے کالج میں

۱۰ بجے استاد ادیب کامل آئے تاکہ ہم کو کلیۃ الالٰھیات لے جائیں اور وہاں کے اساتذہ سے ملائیں، یہ ترکی کا گویا کلیۃ الشریعۃ ہے۔ کلیۃ الالٰھیۃ کی عمارت جدید طرز کی اور اس کا نظام و تربیت سب جدید طرز کا ہے۔ سکریٹری صاحب کے کمرہ میں بعض اساتذہ سے ملاقات ہوئی، ان میں ایک استاد نافذ دانشمن تھے یہ بہت اچھی فصیح عربی بولتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع اور جدید ہے، ہم نے عرض کیا کہ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی ذہانت اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے اس وقت ترکی جس مقام پر ہے، دین کی نمائندگی اور دینی وقار کو بحال کرنے کے لئے مجتہدانہ فکر و نظر کی ضرورت ہے اور ایک نئے محمد فاتح کی جو بجائے شمشیر کے دعوت و موعظت سے اس ملک کو دوبارہ فتح کرے۔ اور نئی نسل کو عقلی و قلبی طور پر اسلام کا حلقہ بگوش بنائے اور دین و دنیا کو باہم ملا کر اکسیر تیار کرے، انھوں نے اس کا جو جواب دیا اس سے ان کی ذہانت اور مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

کالج کے اساتذہ

وہاں سے اٹھ کر ہم اسٹاف روم میں آئے جہاں دوسرے اساتذہ سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک پروفیسر محمد طبجی تھے جو طنجہ مغرب اقصیٰ کے رہنے والے ہیں اور یہاں فلسفۂ اسلام کے استاد ہیں، دوسرے صاحب پروفیسر نشأت چغتائی ہیں، یہ تاریخ اسلام کے استاد ہیں تیسرے کمال ادیب تھے جو ہمارے رہبر اور رفیق تھے۔ یہ تصوف اسلام واصول الدین کے پروفیسر ہیں، چوتھے نافذ دانشمن ہیں جو علم کلام کے استاد ہیں، پانچویں عزت حسن تھے جو عربی زبان وادب کے استاد ہیں، یہ شام کے رہنے والے ہیں، ان کی والدہ چونکہ ترکی ہیں، اس لئے ترکی عربی کے ساتھ ان کی مادری زبان ہے، ان اساتذہ کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہ علمی وفکری حیثیت سے ہر طرح اس عظیم درسگاہ میں تدریس کے اہل ہیں اور کسی بڑے سے بڑے کلیہ کے لئے باعث فخر ہو سکتے ہیں۔

معلم کی صلاحیتیں

جہاں تک ان اساتذہ کے مطالعہ، علمی فضیلت اور واقفیت کا تعلق ہے وہ اپنے تدریسی فرائض کامیابی سے انجام دیتے ہوں گے لیکن ذہنی انقلاب اور طلباء کی اخلاقی وعملی تربیت اور ان میں عزم وولولہ کار اور روحانیت پیدا کرنے کے لئے تنہا تبحر اور دماغی صلاحیتیں کافی نہیں اسکے لئے کم سے کم ان متنوع صلاحیتوں کی ضرورت ہے، جن کو اقبال نے ایک مصرع میں جمع کر دیا ہے

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

معلوم نہیں یہ سوز وگداز کتنا ان کے حصہ میں آیا ہے، تجربہ یہ ہے کہ اسکے بغیر دعوت وتربیت کی گاڑی چلتی نہیں۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

پھر بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کلیۃ الالٰہیات کے اساتذہ کا انتخاب بہت اچھا کیا گیا ہے۔

کالج کا نصاب ونظام

مضامین تعلیم میں سے قرآن وارکان اسلام، تفسیر، حدیث، فلسفۂ اسلام تاریخ دین، قانون اسلامی وفقہ، علم کلام وتصوف دو مضامین دینی نفسیات اور مذہبی علوم عمرانیہ کے نام سے بھی داخل ہیں، زبانوں میں علاوہ ترکی کے عربی فارسی، اور مغربی زبانوں میں سے جرمن، فرنچ اور انگریزی ہیں جہانتک ان مضامین وفنون کا تعلق ہے انہیں زیادہ گفتگو کی گنجائش نہیں، مگر طلبا انکو کہاں تک ہضم کرپاتے ہیں اور ان کی تعلیم کہاں تک دینی وذہنی حیثیت سے کامیاب ہے اس کا اندازہ ان طلبا ہی سے ہوسکتا ہے جو یہاں تعلیم پاتے ہیں اور امتحان واختتام سال کی وجہ سے اس کا موقع نہیں۔

اسٹاف میں اس وقت ۹ پروفیسر ۲ اسسٹنٹ پروفیسر ۳ ریڈر اور مجموعی تعداد ۱۴ ہے۔ طلبا میں اس وقت ۵۲ طالب علم اور ۱۲ طالبات ہیں، اور مجموعی تعداد ۶۴ ہے۔ اس کلیہ کی عمر دیکھتے ہوئے یہ تعداد کچھ بری نہیں، اساتذہ

نے بتایا کہ اناطولیہ کے مسلمان شریف گھرانے بڑے شوق سے اپنے نوجوانوں کو یہاں تعلیم پانے کے لئے بھیجتے ہیں، یہ طلبہ خالص دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے خلوص سے آتے ہیں اور ان کا اور ان کے بھیجنے والوں کا جذبہ صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ دین سے واقف ہو جائیں اور دیندار بن جائیں، وہ کہتے تھے کہ ہم کہاں تک انکی اس توقعات کو پورا کر سکیں گے، یہ خدا ہی جانتا ہے۔

نئی نسل کی دینی تعلیم

ہم کو اس کلیتہ کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، حقیقتاً یہی دو ادارے (محکمۂ امور دینیہ کا شعبۂ ترجمہ ونشر واشاعت اور کلیتہ الالٰہیات) ہیں جن کو دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ ترکی کی نئی نسل کے لئے بھی کچھ دینی کام کیا جارہا ہے۔ اگرچہ یہ لادینی تعلیم کے سمندر کے سامنے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن بہرحال یہ امید کی ایک شعاع ہے اور اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہ بھی ایک نعمت ہے، معلوم ہوا کہ اس وقت مختلف شہروں میں ۱۸ ابتدائی دینی مدارس ہیں۔ ثانوی ہیں ۱۶ ائمہ وخطباء کی تعلیم کے ثانوی مدارس ہیں، لوگوں کو توقع ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا یہ اقدام خواہ اسکے محرکات ومصالح کچھ ہوں، ہر طرح تحسین وہمت افزائی کا مستحق ہے، ماضی قریب کے "عہد اکبری" کو دیکھتے ہوئے یہ "جہانگیری" دور بھی بہت غنیمت ہے۔

انگورہ میں جمعہ کی نماز

جمعہ کی نماز ہم نے جامع بیرم میں پڑھی، اگرچہ خطبہ سے پہلے پہونچے تھے

لیکن جگہ مسجد سے باہر ملی۔ مجمع میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور عید کی نماز کی سی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ پہلے شیخ عمر بیلن ترکی میں وعظ کہتے رہے، یہ اس مسجد کے واعظ بھی ہیں اور پارلیمنٹ کے ممبر بھی، ترک نہایت خشوع و خضوع اور ادب سے بیٹھے وعظ سن رہے تھے، پھر ہمارے عزیز دوست مصطفیٰ رینون نے عربی میں مختصر اور ترکی میں مبسوط خطبہ دیا۔ دوسرے خطبہ میں ان کا یہ کہنا کہ لا تواخذنا بما فعل السفہاء منا بڑا معنیٰ خیز اور بلیغ جملہ تھا جو ترکی کی صحیح صورت حال تھی۔

علماء فرنگی لباس میں

نماز کے بعد شیخ عمر بیلن سے ملاقات ہوئی، اس وقت تک وہ کسی مسجد کے امام اور واعظ معلوم ہوتے تھے، عربی لباس، عربی عمامہ، باہر نکلے تو عربی لباس اتار کر کوٹ پتلون اور انگریزی ٹوپی میں، جس سے وہ اچھے خاصے کنگ ایڈورڈ معلوم ہوتے تھے۔

ترکی کے علماء کے ساتھ اچھا مذاق کیا گیا ہے، وہ محراب و منبر پر شیخ الاسلام معلوم ہوتے ہیں اور مسجد کے باہر جرمنی کے مستشرق اور کیمبرج کے معمر پروفیسر، ان کی میزبانی میں دوپہر کا کھانا کھایا، آج ترکی پارلیمنٹ کی سیر کا بھی ارادہ تھا۔ انھوں نے دو ٹکٹ دیئے جن سے داخلہ ہو سکتا تھا اور وزیٹرس گیلری سے ہم ایوان کی کارروائی دیکھ سکتے تھے، اگرچہ ہم وقت پر پہنچے مگر ایک بڑا مجمع داخلہ کے لیے موجود تھا اور جگہ بھر چکی تھی، مجبوراً واپس آنا پڑا۔

انگورہ پر ایک نظر

۵ ½ بجے ہم کو انقرہ سے قونیہ روانہ ہونا تھا، ہم بس کے اڈہ پر پہنچ گئے، مصطفیٰ رنیوں وداع کرنے کے لیے موجود تھے، وہ خود قونیہ کے رہنے والے ہیں انھوں نے اپنے دوستوں کے نام تعارفی خطوط دئیے، قونیہ یہاں سے ۲۴۵ کیلو میٹر ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ ہم ۱۰ بجے شب تک مولانا جلال الدین رومیؒ کے وطن میں پہونچ جائیں گے۔

انگورہ اچھا خوبصورت شہر ہے، پانچ لاکھ سے کچھ ہی کم آبادی ہے، آبادی وفراخی میں لکھنؤ سے ملتا جلتا ہے۔ نئی عمارتیں خوش قطع و پرشکوہ ہیں۔ سرکاری دفاتر ایک بڑی سلطنت کے شایان شان ہیں، پارلیمنٹ کی عمارت قدیم ہے اور بہت معمولی ہے، نئی عمارت جس کی تکمیل میں ابھی کسر باقی ہے شاندار ہے اور جدید طرز کی، شہر کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ وہ رومیوں کے عہد میں بھی عظیم اورمرکزی شہر رہ چکا ہے، رومی عہد کے آثار اور عمارتوں اور کلیساؤں کے درو دیوار موجود ہیں۔ عرب کا مشہور ترین شاعر امرؤالقیس جب شاہ روم سے مدد لینے کے لئے آیا ہے تو اسی شہر کا اس نے رخ کیا اور اسی شہر کے قریب اس کا انتقال ہوا۔ انگورہ استنبول کے برخلاف اناطولیہ کے علاقہ میں واقع ہے جو ترکی طاقت وتہذیب کا مرکز ہے، یورپ کی روز روز کی ریشہ دوانیوں اور حملوں کے خطرہ سے بھی دور ہے اور استنبول کے اثرات وروایات سے بھی محفوظ، غالباً انتقال دارالسلطنت کے یہی اسباب تھے۔

قونیہ میں

ڈاکٹر علی کمال

سہ شنبہ ۱۳؍ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۳؍ جون ۱۹۵۶ء

رات بس ۱۰½ بجے کے بعد پہنچی، رفقاء سفر میں سے بعض سے تعارف ہوگیا تھا وہ ہمراہ آئے اور ایک ہوٹل میں جس کا نام شہیر پالاس ہے، ٹھہرادیا۔ ہوٹل صاف اور سستا ہے چلتے وقت ان رفقاء میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ صبح میرے والد صاحب آجائیں گے آپ ان کی معیت میں یہاں کے قابل دید مقامات کو دیکھنے اور اشخاص سے ملنے چلے جائیے گا، صبح وہ صاحب آگئے، حاجی احمد پرنغ ان کا نام ہے، ٹوٹی پھوٹی عربی بول لیتے ہیں، انکی معیت میں پہلے ڈاکٹر علی کمال کے یہاں آگئے جن کے نام ایک تعارفی خط ان کے دوست مصطفیٰ رضا نے لکھ دیا تھا، نوجوان آدمی ہیں، نہایت اخلاق سے ملے۔ ندوی کا لفظ دیکھ کر کہنے لگے کہ مولانا سید سلیمان ندوی سے کچھ تعلق ہے، ہم نے کہا وہ ہمارے استاد تھے،

آپ ان کو کہاں سے جانتے ہیں، کہنے لگے "عصر سعادت" سے، کہنے لگے رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے، ہم نے کچھ عذر کیا تو انھوں نے اصرار کیا، ان کے خلوص واخلاق کو دیکھ کر منظور کر لیا۔

جامع سلطان سلیم اور کتب خانہ

یہاں سے ہم سلطان سلیم کی جامع مسجد میں گئے، یہ مشہور ترکی معمار سنان کی تعمیر ہے، عمارت نہایت خوبصورت، سادہ اور دلآویز ہے، محراب مسجد نہایت قیمتی اور خوش وضع ہے، پتھر میں بہت نفیس کام ہے، مسجد کے ساتھ ایک کتبخانہ ہے جو نہایت مرتب اور عمدہ حالت میں ہے، بیشتر کتابیں عصر جدید کی ہیں۔ کتب خانہ کی فہرست دیکھی، اندازہ ہوا کہ ترکی اسلامیات اور علوم جدیدہ کا اچھا خاصا ذخیرہ منتقل ہو گیا تھا، فہرست کو دیکھ کر طبیعت کو صدمہ ہوا کہ اب یہ سارا ذخیرہ رسم الخط بدل جانے کی وجہ سے بیکار ہو گیا ہے، جس اسلامی ملک میں یہ بدعت کی جائے گی وہاں کا سارا علمی اندوختہ اور سیکڑوں برس کا خزانہ نئی نسل کے لئے بیکار ہو کر رہ جائے گا، دیر تک طبیعت پر اس کا اثر رہا۔ یہیں محمد عاکف مرحوم کی منظومات کا مجموعہ "صفحات" کے نام سے دیکھا جو کئی جلدوں میں ہے بالکل ترکی کے محمد اقبال معلوم ہوتے ہیں۔

مولانا رومی کے مزار پر

یہاں سے ہم مولانا کے مزار مبارک کی طرف چلے، عمارت کے دروازے پر "عجائب خانہ" کی تختی دیکھی معلوم ہوا کہ اب یہ مزار و مسجد عجائب خانہ میں منتقل

ہو گئے ہیں اس لئے کہ کمالیوں کے نزدیک اور کسی چیز میں کوئی معنویت نہیں
دروازے سے داخل ہوئے تو مثنوی اور مولانا سے متعلق ترکی، فارسی، عربی
انگریزی اور فرنچ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آثار کے طور پر سجا ہوا تھا، افسوس
ہے کہ اس میں ہندوستان کی صرف ایک چھوٹی سی کتاب تھی جو مولانا پر "فیروز سنز"
کی طرف سے شائع ہوئی ہے، حالانکہ شاید کسی اسلامی ملک میں مثنوی اور
مولانا پر اتنا کام ہوا ہو جتنا ہندوستان میں ہوا ہے۔ لیکن نہ یہاں بحر العلوم
کی شرح تھی نہ مولانا تھانوی کی، نہ مولانا شبلی کی "سوانح مولانا روم" نہ تلمذ
حسین صاحب مرحوم کی بے نظیر کتاب مراۃ المثنوی۔

ٹکٹ لے کر آگے بڑھے تو اس امام عاشقاں و سرگروہ عارفاں کی زیارت
ہوئی جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے کہ ؎

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر

دیر تک ان کی قبر کے پاس بیٹھ کر زمانہ کا انقلاب یاد کرتے رہے، کبھی انکا
کلام پڑھتے، کبھی گرد و پیش کو دیکھتے تو ہر چیز اجنبی معلوم ہوتی، آثار قدیمہ نے
ان کے گرد آثار و عجائب و تحائف کا ایک انبار جمع کر دیا ہے اور اس کو سجا کر
دیکھنے والوں کو صلائے عام دی ہے، مگر ہمارے لئے سب سے زیادہ کشش کی چیز
خاک کا یہ ڈھیر تھا جس کے اندر علم و حکمت اور عشق و محبت کا خزانہ دفن تھا، بارہا
اس کو دیکھتے اور یہ شعر پڑھتے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

مولانا کے پاس ان کے والد سلطان بہاء الدین ولد اور مولانا کے بڑے صاحبزادے سلطان ولد اور بعض دوسرے اولاد و احفاد و خلفاء کے مزارات ہیں، متصل ہی مسجد اور ذکر خانہ ہے۔ اب یہ سب عجائب خانہ و دار الآثار ہے۔ نماز کی بھی اجازت نہیں۔

عہد قدیم کی ایک یادگار

وہاں سے نکلے تو ہمارے رہبر و رفیق نے ایک حجرہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں مولانا کے مزار و خانقاہ کے ایک معمر خادم درویش محمد ودار رہتے ہیں، ان کی بھی زیارت کرتے چلئے، اندر گئے تو ایک پیر مرد جن کی بھویں تک سفید تھیں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، ایک خادم انگریزی ٹوپی سر پر رکھے ان کو کھلا رہا تھا، ہمیں دیکھا اور معلوم ہوا کہ ہندستان کے ہیں تو آبدیدہ ہو گئے، یہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

شعر بالکل حسب حال تھا اس لئے نہایت موزوں اور مؤثر تھا، معلوم نہیں محکمۂ آثار قدیمہ نے ان بزرگ کو اپنے احاطہ میں رہنے کی کس طرح اجازت دیدی شاید آثار قدیمہ ہی کے طور پر رکھ چھوڑا ہے۔

آثار قدیمہ کے دفتر میں

یہاں سے نکلے تو آثار قدیمہ کے دفتر میں پہونچے، یہاں ایک تعلیم یافتہ اور مہذب ترک نوجوان کام کرتے ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ہندستان سے تعلق ہے، انھوں نے پوچھا کہ کیا ہندستان میں کوئی شاعر ایسا ہے جو مولانا کے طرز کا مقلد اور شاعری میں ان کا متبع ہے، ہم نے کہا اب تو کوئی نہیں معلوم ہوتا، کہنے لگے کوئی ایسا عالم جس سے مولانا کے متعلق خط و کتابت کی جا سکے، ہم نے مولینا عبدالماجد صاحب دریا بادی کا پتہ لکھوا دیا، ہم نے ان کو توجہ دلائی کہ مثنوی کے آثار و کتب خانہ میں کم سے کم مراۃ المثنوی کا نسخہ ضرور ہونا چاہیے جو اپنے طرز میں بے نظیر چیز ہے، انھوں نے پتہ لکھ لیا اور کہا کہ ترکی سفارتخانہ کے ذریعہ وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سلجوقی عہد کی یادگاریں

یہاں سے چلے تو سلجوقیوں کے عہد کی متعدد یادگاریں دیکھیں۔ یہ عثمانیوں کے پیشرو تھے اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ انھوں نے اس علاقہ میں حکومت کی ہے مولانا انھیں کے عہد میں آئے تھے، ان یادگاروں سے ان کی عظمت اور ان کے زمانہ کے تمدن و صنعت کا اندازہ ہوتا ہے، اس عہد کی عمارتوں میں جو اب سب عجائب خانہ کے طور پر ہیں، ایک دارالحدیث، ایک دارالتفسیر اور ایک دارالفقہ ہے، یہ سب الگ الگ مستقل مدرسے ہیں۔ گویا آج کل کی طرح کلیات کا اور کسی فن خاص میں تخصص کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اب یہ سب زبان حال سے

کہہ رہے تھے،

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدیداست صنادید عجم را

اسی اثنار میں علاؤالدین سلجوقی کی جامع مسجد دیکھی، یہ اب بھی شہر کی جامع مسجد ہے، نہایت وسیع اور عظیم الشان عمارت ہے، محراب نہایت خوبصورت، پتھر نہایت عمدہ، نقش بہت عجیب اور دیدہ زیب ہیں، عثمانی عہد کی مساجد سے اس کا طرز تعمیر بالکل مختلف ہے، مسجد نہایت دل آویز ہے اور دیر تک رہنے کو جی چاہتا ہے۔

مولانا صدرالدین قونوی

یہاں سے نکل کر مولانا صدرالدین قونوی کے مزار کی طرف گئے یہ شیخ اکبر کے مشہور خلیفہ اور ان کی نسبت کے حامل ہیں، انھیں کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی مؤذن نے جب تسبیحات کے دوران میں علی نعمۃ الاسلام دائما الحمد للہ کہا تو بہت اچھا معلوم ہوا، خدا کرے ترکوں کو ہمیشہ اس نعمت کی قدر رہے جس نے ان کو دین و دنیا کی عزت بخشی اور وسط ایشیا کی تاریکیوں سے نکال کر دنیا کی امامت کے مقام پر پہنچا دیا۔

داغ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

جامع قرادائی

جامع قرادائی دیکھتے ہوئے اور اس خاندان کے وزرا، کی قبروں پر فاتحہ

پڑھتے ہوئے اور زمانہ کے انقلاب کو یاد کرتے ہوئے جس نے نہ شہنشاہیوں کی شہنشاہی باقی رکھی نہ وزیروں کی وزارت۔ ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اب سب زیارات و مشاہدات سے فارغ ہو کر ہم ایک ہوٹل میں آئے جہاں ہمارے مہربان رفیق ورہبر نے خالص مقامی اور دیسی کھانا کھلایا معلوم ہوا کہ پنجاب کی طرح یہاں بھی دہی اور چھاج کا استعمال پانی کے بجائے ہوتا ہے اسے یہاں آیرن کہتے ہیں۔

قونیہ کا شہر

عصر کی نماز کے بعد ہم پھر شہر کی سیر کے لئے نکلے، یہ شہر نہایت دل آویز ہے دینداری اور اسلامیت میں یہ پوری ترکی میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اہل شہر نہایت خوش اخلاق، کریم النفس، صاحب حمیت اور دیندار ہیں، اس کو تصور کا اثر کہئے یا واقعہ کہ اس شہر میں ایک خاص سکینت و دل آویزی محسوس ہوئی اور جتنا جی یہاں لگا کہیں نہ لگا۔ شہر کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔ شہر نہایت خوش وضع پر رونق اور اسکے ساتھ پر سکون ہے۔

ایک جگہ کچھ دیر ایک دیندار بزرگ کی دوکان پر بیٹھنا ہوا۔ انھوں نے مثنوی کا ایک نسخہ جس میں ترکی زبان میں اشعار کی شرح تھی سامنے رکھ دیا، مولانا کا کلام اور مولانا کا شہر دیر تک لطف لے لے کر پڑھتا رہا۔ اتفاق سے ایک شعر سامنے آیا

جو بالکل حسب حال تھا شاید اسی طرح لوگ دیوان حافظ وغیرہ سے فال نکالتے ہوں۔

گفت طوطی راچہ خواہی ارمغاں
کارمت از خطۂ ہندوستاں

ڈاکٹر علی کمال کے مکان پر

یہاں سے ایک مسجد میں آئے اور مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ڈاکٹر علی کمال مل گئے اور اپنے گھر لے گئے، ان کے والد صاحب اور ان کے چند مخلص احباب اور بھی تھے، علی کمال سراپا تہذیب و خلق ہیں، نہایت صالح نوجوان، نرم خو، خندہ پیشانی، شیریں زبان اور نہایت متواضع شخص ہیں، پورا گھر نہایت دیندار اور مہذب ہے، طبیعت کو ان سے بڑی مناسبت معلوم ہوئی اور ان کے پاس بہت جی لگا، عشاء کی نماز ان کی مسجد میں ان کی اقتدا میں پڑھی اور ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے، اپنے رہبر حاجی احمد پر تغ کے بھی ہم نہایت ممنون ہیں کہ اس بزرگ نے تقریباً سارا دن ہمارے ساتھ صرف کیا اور بہت تکلیف اٹھائی۔

قونیہ سے روانگی

چہار شنبہ ۱۴ ذی قعدہ ۷۵ھ مطابق ۲۴ جون ۵۶ء

آج صبح ہم اس مانوس و محبوب شہر سے رخصت ہو رہے ہیں اور گویا اب ترکی سے سفر ہو رہا ہے افسوس ہے کہ موتمر اسلامی کی وجہ سے جو ۲۶ سے شروع

ہو رہی ہے۔ ۲۵ تک دمشق پہونچنا ضروری ہے۔ ورنہ اس شہر سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ شہر اپنی سکنیت وسکون، آب و ہوا، فضا اور اپنے باشندوں کے اعتبار سے ہر طرح دل آویز ہے۔

راستے کے مناظر

صبح ۹½ بجے ٹرین پر سوار ہوئے۔ چند گھنٹے تو سفر غیر دلچسپ اور علاقہ غیر سرسبز ملا۔ ظہر کے بعد سے نہایت دل فریب مناظر اور نہایت بلند پہاڑ آئے جن کی بڑی چوٹیاں ابھی تک برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ یہ کوہ طورس کا سلسلہ ہے استنبول آتے ہوئے بھی طورس کا سلسلہ ملا تھا مگر اس کا بلند حصہ رات کو گزر گیا تھا۔ اب دن ہونے کی وجہ سے بڑی تفریح کی جگہ معلوم ہوتی ہے۔ دونوں طرف نہایت سرسبز اور بلند پہاڑ ہیں۔ وادیاں سبز پوش ہیں پہاڑی چشمے جا بجا جاری ہیں۔

غریب علاقہ

گاڑی کسی اسٹیشن پر یا راستے میں ٹھیرتی ہے تو گاؤں کے بچے پھیرے، اکراج (چیری)، اور کچھ نہیں تو ٹھنڈا پانی بالٹیوں اور لوٹوں میں لے کر آجاتے ہیں، افسوس ہے کہ بڑے شہروں کو چھوڑ کر غربت عام ہے۔ ترکی کی موجودہ اقتصادی حالت یوں بھی اچھی نہیں۔ پھر دیہات تو اسلامی ممالک میں ہر جگہ غریب دیکھے۔ یہ بچے اگرچہ غریب ہیں۔ مگر ہندوستان کے دیہاتی بچوں کے برخلاف صاف ستھرے اور مہذب ہیں گاڑی مسلسل نہایت طویل سرنگوں میں سے جا رہی ہے۔ اس وقت جب کہ یہ حروف

نکلے جا رہے ہیں۔ گاڑی دیر سے ایک سرنگ کے اندر سے گزر رہی ہے۔ مناظر یہ کہتے ہیں کہ اس وقت لکھنا اور تفریح نہ کرنا بڑی بدذوقی ہے، قلم کو ہاتھ سے رکھو اور آنکھوں کو دعوت نظارہ دو۔ اطنہ اب گھنٹہ دو گھنٹہ کی بات ہے۔ جہاں ریل کا یہ سفر ختم ہو جائے گا اور موٹر سے اسکندرونہ اور وہاں سے حلب جانا ہوگا۔

اطنہ

اطنہ (ADANA) ایسے وقت آیا کہ ہم نے مغرب کی نماز پڑھی۔ کچھ انتظار و تلاش کے بعد زین العابدین کے مقرر کردہ دوست رمزی مل گئے۔ معلوم ہوا کہ اب اس وقت اسکندرونہ کے لئے کوئی موٹر یا بس نہیں۔ رات گزارنی ہوگی اور صبح اسکندرونہ جانا ہوگا۔ اطنہ خاصا بڑا شہر معلوم ہوتا ہے۔ آبادی ایک لاکھ سے اوپر معلوم ہوتی ہے۔ شہر ترکی کا بڑا صنعتی مرکز ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں کا ہوائی اڈہ فوجی حیثیت سے شرق اوسط کا اہم ہوائی اڈہ ہے۔

اسکندرونہ سے حلب

رات انقرہ پالاس ہوٹل میں گزاری، صبح اسکندرونہ روانہ ہوئے کوئی سوا دو گھنٹے میں پہنچ گئے۔ کچھ وقفے کے بعد حلب کے لئے موٹر مل گئی۔ یوں تو اسکندرونہ حلب کے درمیان کل ۲۲۵ کیلومیٹر کی مسافت ہے۔ مگر سرحدوں اور چنگی کی چوکیوں کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اسکندرونہ میں سمندر اور پہاڑی

مناظر دونوں کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہاں سے چلے تو مسوری دنینی تال کے واپسی کا لطف تھا۔ وہی پہاڑی راستے، وہی پیچ و خم، وہی سبزہ، خاصی دیر تک یہ پرلطف مناظر رہے۔ ہوا بھی خنک اور نہایت خوشگوار تھی۔ کچھ عرصے کے بعد میدانی علاقہ آگیا جو اب شام تک مسلسل جائے گا۔ ۲ بجے کے قریب ہم ترکی کی سرحد کو پار کر چکے تھے اور شام کی سرزمین میں داخل ہو چکے تھے۔

وللہ الامر من قبل و من بعد

چند اہم کتابیں

زبان کی نیکیاں از مولانا محمد ثانی حسنیؒ

☆ زبان سے تعلق رکھنے والی نیکیوں کا بیان نہایت آسان زبان میں ☆ اللہ کو یاد کرنا ☆ قرآن مجید کی تلاوت ☆ حمد و شکر ☆ دعا و مناجات ☆ توبہ و استغفار ☆ درود و سلام ☆ سلام کرنا ☆ اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا ☆ سچ بولنا ☆ گفتگو اور تحریر ☆ تقریر و خطابت۔ قیمت

گلدستہ حمد و سلام از مولانا محمد ثانی حسنیؒ

اس مجموعہ میں پہلے حمد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام آئے ہیں پھر حب نبوی سے لبریز سلام اور درود۔ آخر میں مناجات جو مسنون دعاؤں پر مشتمل ہے۔ قیمت

باب کرم از امۃ اللہ تسنیمؒ

درد و اثر میں ڈوبی ہوئی مناجاتیں، درد و سوز جس کے ہر شعر سے جھلکتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست دعا پھیلایئے۔ قیمت

÷ ناشر ÷

مکتبۂ اسلام

۵۴/۲/۱۷ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ (یوپی) ۲۲۶۰۱۸